

۲۔ محمد بن ادریس شافعی جو شافعیوں کے امام ہیں انھوں نے علم کلام کے سلسلہ میں کہا ہے کہ اگر انسان شرک کے علاوہ کوئی اور گناہ کرنا چاہتا ہے تو علم کلام میں مشغول ہو جائے۔ میں نے متکلمین سے ایسی باتیں سنی ہیں جو کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ (۱)

۳۔ احمد بن حنبل نے بھی قدر الہی اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات پر ایمان کو واجب قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں کسی طرح کے سوال کو جائز نہ سمجھتے ہوئے اس بات کی تاکید کی ہے کہ ان مسائل میں کسی سے مناظرہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ علم جدل کو سیکھنا چاہئے۔ (۲)

غور و فکر اور تحقیق

علم کلام اور متکلمین کی مذمت میں اہل حدیث سے بہت سے اقوال نقل ہوئے ہیں (۳) جنکا سبب اہل کلام کے اقوال و نظریات میں تضاد کا پایا جانا ہے یہ بات اکثر اوقات سیدھے سادھے ذہنوں کے لئے شک و تردید کا سبب بنتی ہے جس طرح فکری اور فلسفی نظریات میں اختلاف کا پایا جانا انکار حقیقت کا سبب بنتا ہے لیکن اسکی وجہ سے بحث و مباحثہ کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے یہ عقل مندی نہیں ہے اور خداوند عالم کی ان ہدایات سے ٹکرانا ہے جن میں اس نے قرآن کریم اور تخلیق کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی ہے:

﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (۴)

”بیشک بدترین زمین پر چلنے والے وہ گونگے اور بہرے افراد ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔“

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (۵)

”کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔“

(۱) اصول السنۃ، ص ۵۱، ۵۲۔ (۲) اصول السنۃ، ص ۳۸، ۵۱۔ (۳) اصول السنۃ، ص ۵۰ و ۵۶۔

(۴) سورۃ انفال، آیت ۲۲۔ (۵) سورۃ محمد، آیت ۲۴۔

اگر حقیقت میں صفات الہی سے مربوط آیات کو سمجھنا مقصود نہیں تھا تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر ان آیات کے نزول کا کیا مقصد ہے جو چیز کسی بھی طرح قابل فہم نہ ہو اس پر ایمان کا کیا فائدہ جبکہ قرآن مجید عربی میں نازل ہوا ہے تاکہ مخاطبین اس کے معانی اور مقاصد کو سمجھ سکیں۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں متشابہ آیات بھی پائی جاتیں ہیں لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قابل فہم نہیں ہیں قرآن کریم میں غور و فکر اور متشابہات کو محکمات کی طرف پلٹانا متشابہات کو سمجھنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے دین میں جدل کو مطلقاً مذموم قرار دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ قرآن کریم میں خدا نے اپنے حبیب کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا ہے:

﴿أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بَالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ...﴾ (۱)

”اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف بہترین موعظہ کے ذریعہ بلاؤ اور ان سے اس طرح مناظرہ کرو جو سب سے بہتر ہو۔“

بغیر غور و فکر، استدلال اور جدال احسن کے مخالفین کے اعتراضات اور ان کے شبہات کے مقابلہ میں کس طرح دینی عقائد کی حفاظت ممکن ہے اسی لئے ابوالحسن اشعری نے اہل حدیث کے اس طریقہ کار کو چھوڑ دیا اور ایک نئی روش کو رائج کیا جو درحقیقت وہی کلامی روش تھی جس کو اہل سنت نے قبول کیا ہے لیکن گزشتہ روش بالکل ختم نہ ہو سکی بلکہ کچھ لوگ اسکا اتباع کرتے رہے اور اسی لئے وقتاً فوقتاً حنابلہ اور اشاعرہ میں نزاع قائم رہا۔ (۲)

فخر الدین رازی جو خود اشعری مذہب ہیں، ابن خزیمہ کی لکھی ہوئی کتاب التوحید جو حنابلہ کی ایک معتبر کتاب ہے کو کتاب الشوک سے یاد کرتے ہیں اور ابن خزیمہ کو مضطرب الکلام قلیل الفہم اور ناقص العقل جانتے ہیں۔ (۳)

(۲) تبیین کذب المفتری، ابن عساکر، ص ۳۱۰، ۳۱۸۔

(۱) سورۃ نحل، آیت ۱۲۵۔

(۳) التفسیر الکبیر، ج ۲، ص ۱۵۔

سوالات

- ۱۔ اہل حدیث کون لوگ ہیں؟ حنابلہ سے ان کی کیا نسبت ہے؟
- ۲۔ استواء کے بارے میں مالک بن انس کا قول تحریر کریں۔
- ۳۔ علم کلام کے بارے میں شافعی اور احمد بن حنبل کا نظریہ تحریر کریں۔
- ۴۔ کلامی بحثوں کے مخالفین کے نظریات تحریر کر کے ان کی تنقید کریں۔
- ۵۔ اہل حدیث کی روش کا کیا انجام ہوا اور اس کا حنابلہ اور اشاعرہ سے کیا ربط تھا؟

پچیسواں سبق:

مذہب سلفیہ

۱۔ ابن تیمیہ و سلفیہ

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ مذہب اشعری کے ظاہر ہونے کے بعد اہل حدیث اور حنبلی مذہب کی رونق کم ہو گئی لیکن اس کے باوجود یہ مذاہب مکمل طور پر ختم نہیں ہوئے اور آٹھویں صدی ہجری میں ایک حنبلی عالم احمد بن تیمیہ حُرانی (متوفی ۷۲۸ھ) کے ذریعہ دوبارہ اسکی ترویج و تبلیغ شروع ہوئی۔ (۱) اس کا کہنا تھا کہ صفات خداوندی کے بارے میں وارد ہونے والی روایات جو تجسیم و تشبیہ کو ثابت کرتی ہیں ان کو اپنی حالت پر باقی رہنا چاہئے اور اشاعرہ کی طرح ان کی تاویل سے پرہیز کرنا چاہئے اسکے علاوہ اس نے کچھ اور عقائد کا بھی اضافہ کیا جن کو عقائد سلف قرار دیا۔ جیسے:

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے جانا بدعت اور شرک ہے۔

۲۔ پیغمبر اکرم ﷺ، ان کے اہل بیت اور اولیاء الہی سے توسل اور ان کے آثار سے متبرک ہونا توحید کے منافی ہے۔

۳۔ بہت سی روایات جو فضائل اہل بیت کے سلسلہ میں کتب صحاح و مسانید حتیٰ مسند احمد ابن حنبل میں وارد ہوئی ہیں سب ناقابل قبول ہیں۔

لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے حنبلیہ کے بجائے بنی امیہ اور معاویہ کے دور کی عثمانی روش کو زندہ کیا اور دوسری طرف سے وہابی مذہب کی ترویج و تبلیغ کے لئے میدان فراہم کیا۔

۲۔ علماء کے ذریعہ ابن تیمیہ کی مخالفت

علماء اسلام نے مختلف ممالک میں ابن تیمیہ کے نظریات کی مخالفت کی خاص طور پر قبر پیغمبر اکرم ﷺ کی زیارت کے سلسلہ میں ان لوگوں نے سخت موقف اختیار کیا یہاں تک کہ ابن تیمیہ کو کافر قرار دیا۔

بعض لوگوں نے مطالبہ کیا کہ علماء کے سامنے اپنے نظریات سے توبہ کر لے ورنہ قید میں ڈال دیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ابو عبد اللہ محمد بن عثمان ذہبی نے ابن تیمیہ کو ایک نصیحت آمیز خط لکھا اور اس سے مطالبہ کیا کہ اپنے عقائد کو ترک کر دے ان کے خط کے بعض جملے اس طرح ہیں:

”خوش نصیب ہے وہ شخص جو اپنے عیوب کی طرف متوجہ ہو اور دوسروں کے عیوب پر انگلی اٹھانے سے بچا رہے اور بد نصیب ہے وہ شخص جس کی توجہ دوسروں کے عیوب پر ہو اور اپنے عیوب سے غافل رہے۔ تم کب تک اپنے نظریات کی خودستائی میں مبتلا رہ کر گذشتہ علماء کی مذمت کرتے رہو گے جبکہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اپنے مردوں کا خیر کے ساتھ تذکرہ کرو۔ اے کاش کم سے کم صحیحین بخاری اور مسلم کی احادیث ہی تیرے ہاتھ سے سلامت رہ گئی ہوتیں۔ تو ہمیشہ ان کی تضعیف یا تاویل یا انکار کرتا رہتا ہے، کیا ابھی بھی توبہ کا وقت نہیں ہوا جبکہ تو عمر کی ۷۰ ویں دہائی میں ہے اور موت نزدیک ہے، مجھے امید نہیں ہے کہ تو میری نصیحت کو قبول کرے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس ایک ورق کی رد میں چند جلد کتابیں لکھ دے۔ جب تیری اہمیت میرے نزدیک جو تمہارا دوست ہوں اتنی ہے تو تیرے دشمنوں کی نظر میں تیری کیا اوقات ہوگی۔ خدا کی قسم ان کے درمیان صالح، عاقل،

فاضل افراد پائے جاتے ہیں جس طرح تمہارے دوستوں کے درمیان جاہل اور تباہی کے شکار افراد موجود ہیں۔‘ (۱)

۳۔ محمد بن عبدالوہاب اور مذہب وہابیت کی بنیاد

ابن تیمیہ کے عقائد و نظریات صدیوں فراموشی کا شکار رہے یہاں تک کہ بارہویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ھ) نے ظہور کیا اور اسکے عقائد کی ترویج شروع کی خاص طور پر اسکی ساری کوشش ابن تیمیہ کے نظریات کی حمایت تھی۔ شروع میں اس نے صفات الہی سے مربوط مسائل کی طرف توجہ نہیں دی لیکن بعد میں جب اسکی بات پر کان دھرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا اور آل سعود نے ان کے عقائد کی ترویج شروع کر دی تو دوبارہ صفات الہی سے مربوط احادیث کی تاویل نہ کرنے کا مسئلہ توجہ کا مرکز بن گیا۔

استعماری طاقتوں کے ذریعہ عثمانی خلافت کے خاتمہ اور اسکی سرزمینوں کے تجزیہ کے بعد حجاز کی سرزمین پر آل سعود کی حکومت قائم ہو گئی اور وہ لوگ جو شروع سے وہابی عقائد کے طرفدار تھے اسکی ترویج میں مزید کوشاں ہو گئے۔

حقیقت میں وہابی مذہب اسی سلفی روش کے مطابق ایک طرف وہابی علماء کی کوششوں سے آگے بڑھا تو دوسری طرف سے اسے آل سعود کی سیاسی اور اقتصادی حمایت بھی حاصل رہی جسکی وجہ سے حجاز کے علاوہ پوری دنیا میں اسکے حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، ان کا خشک اور سخت انداز جس کو وہ سلفیہ کا نام دیتے ہیں، صدر اسلام کے خوارج کی یاد دلاتا ہے جو تمام اسلامی فرقوں کو کافر و مشرک سمجھتے تھے اور صرف خود کو مسلمان جانتے تھے۔

۴۔ استاد بوٹی اور سلفیہ کی تنقید

استاد محمد سعید رمضان بوٹی نے السلفیہ مرحلة زمنية مباركة لامذهب اسلامي نام کی کتاب تحریر کی ہے۔

ان کے بعض تنقیدی جملہ اس طرح ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ: کلمہ سلف سے سلفیہ نام کی نئی اصطلاح بنا کر اسکو اسلامی فکر و مذہب کی علامت قرار دینا اور اسکو ایک مستقل اسلامی فرقہ سمجھنا غلط ہے اور اسکو بدعت قرار دینا بھی بے جا نہیں ہے۔ اگر سلف کی سیرت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کے نظریات پر تنقید کی ہے اور بغیر سوچے سمجھے تعبداً قبول کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ لہذا کس طرح ممکن ہے ان کے اقوال و اعمال کو بغیر چون و چرا حق و حقانیت کی دلیل قرار دیا جائے، ان کے اقوال و افعال میں جو اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اگر سلفیہ کی طرح ان سب کو حجت شرعی شمار کیا جائے تو اسکا لازمہ یہ ہوگا کہ امور متعارض اور متناقض کو حق قرار دیا جائے جو کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے۔ سلفیہ سے مراد شروع میں ایک دوسرے معنی تھے سلفیہ سے مراد اسلامی اور دینی اقدار کی طرف بازگشت کو لیا جاتا تھا تا کہ مغرب کے مادی افکار سے دور رہیں لیکن افسوس کہ وہابیوں نے اسکو اپنے اصلی معنی سے الگ کر کے اپنی مرضی کے مطابق ایک نئے معنی تلاش کر لئے اور صرف اور صرف اپنے کو مسلمان سمجھنے لگے۔ ان کی نظر میں سلفی وہ نہیں ہے جو قرآن، حدیث اور احکام اسلامی کا قائل ہو، اس پر عمل پیرا ہو اور اسلام کے دشمنوں سے جہاد کرتا ہو۔ بلکہ ان کی نظر میں سلفی وہ شخص ہے جو ان کے وہابی مذہب کا تابع ہو ورنہ اس کے اوپر شرک و بدعت کا الزام لگایا جاسکتا ہے۔

سوالات

- ۱۔ ابن تیمیہ کون تھا اور اس کے عقائد کیا تھے؟
- ۲۔ علماء اسلام کا ابن تیمیہ کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟
- ۳۔ محمد بن عبدالوہاب کون تھا؟ اور اس نے کیا کیا؟
- ۴۔ مذہب وہابیت کی ترویج میں آل سعود کا کیا کردار تھا؟
- ۵۔ سلفیہ پر استاد بوٹی کی تنقید تحریر کیجئے۔

چھیسواں سبق:

مذہب اشعری کا رہبر

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں ابوالحسن اشعری نے اہل حدیث کے عقائد کی حمایت اور معتزلی عقائد کے خلاف آواز بلند کی اور اسکے اس مکتب کو اسلامی دنیا میں قابل توجہ شہرت حاصل ہوئی۔

۱۔ ابوالحسن اشعری کی شخصیت اور علمی آثار

ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری نے ۲۶۰ ہجری میں اس دنیا میں آنکھیں کھولیں اور ۳۲۴ھ یا ۳۳۰ھ میں انتقال کیا۔ اسکے والد اہل حدیث کے حامیوں میں سے تھے لہذا اسکی تربیت میں بھی اہل حدیث کے عقائد رچ بس گئے اسکے باوجود جوانی کے ایام میں معتزلی مذہب کی طرف رجحان پیدا کیا اور ۴۰ سال تک اسی پر باقی رہا۔ لیکن پھر دوبارہ اہل حدیث کے عقائد کی طرف پلٹ گیا۔ اشعری کے چاہنے والوں نے اسکے زہد و عبادت کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہے (۱) اسکے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب استعداد مفکر اور ایک محنتی محقق تھا خطابت و مناظرہ میں بھی اسے

(۱) بحوث فی الملل والنحل، ج ۲، ص ۱۶، ۱۷۔

مہارت حاصل تھی ابوعلی جبائی کے ساتھ اسکا مناظرہ، اور بصرہ کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن اسکی تقاریر کو اسکی کامیابی میں بڑا دخل ہے۔ اسکے علاوہ تصنیف و تالیف کا کام بھی انجام دیا ہے ابن عساکر نے ۳۲۰ھ تک کی اسکی کتابوں کی تعداد ۹۸ ذکر کی ہے ان میں سے مشہور کتابیں جو ابھی تک باقی ہیں اس طرح ہیں:

۱۔ مقالات الاسلامیین: یہ اسکی سب سے مشہور تالیف اور علم ملل و نحل کے مشہور مصادر میں سے ہے۔

۲۔ استحسان الخوض فی علم الکلام: یہ کتاب جیسا کہ اسکے نام سے واضح ہے، اہل حدیث اور ظاہر پرستوں کی مخالفت میں لکھی گئی جو اسلامی استدلالات کو بدعت اور حرام سمجھتے تھے۔

۳۔ اللمع فی الرد علی اهل الزيغ والبدع۔

۴۔ الابانۃ عن اصول الدیانۃ: ان دو کتابوں میں بہت فرق ہے: اللمع میں عقلی استدلالات سے استفادہ کیا گیا ہے جبکہ الابانۃ میں نقلی استدلال کو اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرے الابانۃ میں حنابلہ اور اہل حدیث کے نظریات کی حمایت ہے جبکہ اللمع میں خود اشعری عقائد کی بحث ہے۔

۲۔ اشعری کے اعتزال سے الگ ہونے کے اسباب

اس سلسلہ میں بہت سے نظریات ہیں۔ شہرستانی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوعلی جبائی جو اشعری کے استاد تھے ان سے مناظرہ اور ان کا جواب نہ دے پانا اشعری کے اعتزال سے الگ ہونے کا سبب بنا۔ جیسا کہ شہرستانی نے کہا ہے کہ: معتزلہ اور سلف ہر زمانہ میں صفات الہی کے بارے میں اختلاف کا شکار رہے۔ سلف جو صفاتیہ کے نام سے مشہور تھے معتزلہ کی مخالفت میں کلامی روش سے استفادہ نہیں کرتے تھے بلکہ صرف امتناعی باتوں پر اکتفا کر کے ظواہر کتاب و سنت سے وابستہ رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوالحسن اشعری اور اسکے استاد ابوعلی جبائی میں حسن و قبح کے بعض مسائل میں

مناظرہ ہوا جس میں جبائی کو شکست ہوئی اور اشعری اس سے الگ ہو گیا اس نے روش سلف کو اختیار کیا اور کلامی روش کے ذریعہ ان کے مذہب کا دفاع کرنے لگا۔ (۱)

ہانری کوربن نے اس سلسلہ میں دو باتیں بیان کی ہیں:

۱۔ معتزلہ کی فکری روش جو عقل کی مطلق حمایت کرتی ہے دین کے خاتمہ کا سبب بن سکتی ہے اس لئے کہ عقل بغیر کسی قید و شرط کے ایمان کی جانشین بن جائے گی اور پھر ایمان کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔

۲۔ قرآن کی نظر میں غیب پر ایمان دین کی بنیاد ہے جو عقلی دلائل کے دائرے سے باہر ہے۔ لہذا عقل پر بھروسہ غیب پر ایمان کے ساتھ ہماہنگ نہیں ہو سکتا جبکہ اشعری مذہب میں عقلی دلیل کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے خاص طور پر ظواہر کا اتباع کرنے والوں کے برخلاف جو لوگ عقلی دلیلوں پر عمل کرنے کو بدعت اور کفر شمار کرتے ہیں لیکن اسکے باوجود ایمان اور دینی مسلم عقائد کے مقابلہ میں عقل کو مطلقاً حجت نہیں سمجھا جاسکتا۔ (۲)

جبکہ یہ دونوں وجہیں معتزلی انداز فکر میں صحیح نہیں ہیں اس لئے کہ وہ لوگ عقل کو ظواہر پر مقدم کرتے ہیں نہ کہ دین کے مسلم عقائد پر۔ نیز وہ لوگ عقل کو حجت لازم جانتے ہیں نہ کہ حجت کافی ان کی بنیادی اور اصلی دلیل اصل حسن و قبح ہے اور ان کا دعویٰ اس سلسلہ میں ایجاب جزئی ہے نہ کہ کلی۔

کوربن کی دوسری دلیل میں ایمان بالغیب کو حقیقت کی معرفت سے مشتبہ کر دیا گیا ہے جبکہ غیب پر ایمان خود عقل کی بنیادوں پر قائم ہے ہاں اس کا کچھ حصہ اور اسکی مکمل معرفت شرعی طریقوں پر موقوف ہے اسی بنیاد پر خالص توحیدی معارف کے سلسلہ میں عام عقل محدود کہی جاسکتی ہے لہذا کچھ معارف میں عقل کو مستقل سمجھنا صحیح ہے جبکہ اسکی محدودیت اور اسکی وحی کی ہدایتوں سے نیاز مندی کا بھی قائل رہا جائے اور اس بات کے ہانری کوربن سے مخفی رہ جانے پر تعجب ہے۔

۳۔ دوسری وجہ جو اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہے کہ اشعری نے اہل حدیث کے عقائد کی اصلاح کے لئے معتزلہ کی مخالفت کی ہے اس لئے کہ یہ عقائد اس زمانے میں مسلمانوں کی افکار پر غالب تھے جن کی بناء پر ان میں بعض گمراہ کن نظریات جیسے تجسیم و تشبیہ اور جبر کے عقائد پائے جاتے تھے اور ان کی اصلاح معتزلہ سے الگ ہونے کے اعلان اور اہل حدیث کے عقائد کی طرف داری کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ (۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشعری کو خود مذہب اعتزال سے کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ اس کا الگ ہونا صرف ایک کلامی حربہ تھا جس کو اس نے مسلمانوں کی مصلحت کے لئے اختیار کیا تھا تا کہ ان کو تجسیم و تشبیہ سے نجات دلا سکے۔

لیکن یہ وجہ بھی قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ مجسمہ اور مشبہ صرف بعض اہل حدیث ہی تھے جن کو حشویہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ان کے عقائد خود اہل حدیث کو بھی قبول نہیں تھے۔ جیسا کہ ابن خزمہ نے کہا ہے:

أَنَّا نَشِبْتُ لِلَّهِ مَا اثْبَتَهُ اللَّهُ لِنَفْسِهِ وَنَقَرْنَا بِذَلِكَ بِالسُّنَنِ وَنَصَدَّقُ بِذَلِكَ بِقُلُوبِنَا مِنْ غَيْرِ
 أَنْ نَشْبَهُ وَجْهَ خَالِقِنَا بِوَجْهِ أَحَدِ الْمَخْلُوقِينَ ، وَعَزَّ رَبُّنَا عَنْ أَنْ نَشْبَهُهُ بِالْمَخْلُوقِينَ . (۲)
 ”ہم خدا کے لئے اسی چیز کو ثابت کرتے ہیں جس کو خود اس نے ثابت کیا ہے اور اپنی زبانوں سے اسی کا اقرار اور اپنے دلوں سے اسی کا اعتراف کرتے ہیں بغیر اسکے کہ اس کو کسی مخلوق سے تشبیہ دیں
 ہمارا پروردگار اس بات سے بلند ہے کہ اسے مخلوق سے تشبیہ دی جائے۔“

دوسری بات جیسا کہ اشعری کے آثار کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حقیقت میں معتزلی عقائد کا مخالف تھا نہ کہ صرف ظاہری طور پر۔

۴۔ کتاب ”تاریخ فلسفہ در جہان اسلامی“ کے مولف نے کہا ہے کہ شاید اشعری کے الگ ہونے کی وجہ وہ شگاف تھا جو اسلامی معاشرہ میں پیدا ہو گیا تھا اور جسکی بنیاد پر یہ ڈر تھا کہ کہیں دین کا خاتمہ نہ ہو جائے اور اشعری جو ایک دیندار اور متقی شخص تھا یہ نہیں چاہتا تھا معتزلی عقائد کی بناء پر دین خدا اور سنت رسول اکرم ﷺ ختم ہو جائے اس لئے کہ معتزلیوں نے عقل کے اتباع کی بناء پر ایسے عقائد کو رائج کر رکھا تھا جو حقیقی اسلام کے لئے قابل قبول نہیں تھے۔

دوسری طرف اشعری محدثین اور مشبہہ کو بھی قابل قبول نہیں سمجھتا تھا جو صرف ظاہر نص پر توجہ رکھتے تھے اور دین کو جمود کی طرف لے جا رہے تھے اشعری کا مقصد تھا کہ عقل اور ظاہر کا راستہ اختیار کیا جائے جس میں اسلام کی نجات اور مسلمانوں کی خوشنودی ہو۔ (۱)

تحقیق و بررسی

اس جگہ پر دو باتوں کو الگ الگ تصور کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ اشعری کے معتزلہ سے الگ ہونے کی وجہ کیا تھی۔ دوسرے یہ کہ کیوں اس نے ایک نئے مکتب کی بنیاد رکھی۔

پہلے سوال کے جواب کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشعری مختلف کلامی مسائل میں معتزلی نظریات کا مخالف تھا جیسا کہ قاعدہ الصلح کے بارے میں اپنے استاد کے ساتھ اس کا مناظرہ مشہور ہے۔

دوسرے سوال کا جواب واضح نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اتنا کہا جاسکتا ہے کہ معتزلی عقائد کی مخالفت اور اہل حدیث کے عقائد کی کوتاہی اس بات کا سبب بنی کہ وہ ایک نئے مکتب کی بنیاد رکھتا۔ لیکن اس سلسلہ میں کیا اسکو کامیابی نصیب ہوئی اس کے بارے میں فیصلہ آئندہ درس میں بیان کیا جائے گا۔

شاید اسکی یہی اصلاح طلبی کی تمنا تھی جس کی وجہ سے وہ اہل سنت کے فقہی مذاہب کی طرف توجہ

نہیں دے سکا جیسا کہ بعض لوگوں نے اس کو شافعی قرار دیا ہے اور بعض نے مالکی یا حنبلی گو یا وہ اس فکر میں تھا کہ اہل سنت کے تمام مذاہب کی طرف داری کرے۔

جیسا کہ ابن عساکر نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ مختلف مذاہب کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ سب مجتہد ہیں اور سب حق پر ہیں اصول میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے ان کا اختلاف صرف فروع دین میں ہے۔ (۱)

سوالات

- ۱۔ ابوالحسن اشعری کی مختصر سوانح حیات لکھیں۔
- ۲۔ اشعری کے علمی آثار پر روشنی ڈالیں۔
- ۳۔ معتزلہ سے اشعری کے الگ ہونے کے بارے میں شہرستانی کا کلام تحریر کریں۔
- ۴۔ معتزلہ سے اشعری کی علیحدگی کے بارے میں ہانزی کوربن کے کلام پر محققانہ نظر ڈالیں۔
- ۵۔ معتزلہ سے علیحدگی کے بارے میں تیسری دلیل مع تنقید بیان کریں۔
- ۶۔ تاریخ فلسفہ در جہان اسلام کے کلام کی وضاحت کریں۔
- ۷۔ معتزلہ سے اشعری کی علیحدگی کے بارے میں آخری نظریہ بیان کریں۔

ستائیسواں سبق:

اشعری کی کلامی روش اور جدت پسندی

اشعری کی کلامی روش

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ عقل گرائی اور ظاہر گرائی کے درمیان موجود تضاد کو ختم کرنے کے لئے اشعری نے ایک نیا طریقہ کار اپنایا اسی لئے وہ دونوں گروہوں کا موافق و مخالف قرار پایا۔ اس نے عقلی استدلال کو پسندیدہ قرار دیا اور اس سلسلہ میں استحسن الخوض فی علم الکلام نامی رسالہ لکھا جبکہ اہل حدیث عقلی استدلال کو بدعت اور حرام جانتے تھے۔

دوسری طرف عقل اور ظواہر کے ٹکراؤ کی صورت میں ظواہر کو مقدم کیا۔ جسکی بناء پر صفات ذات اور صفات خبریہ میں معتزلی عقائد کی مخالفت کی۔ حسن و قبح عقلی کو بھی قبول نہیں کیا۔ جس سے اہل حدیث کے ساتھ ہماہنگی رکھی۔

اشعری کے جدید عقائد

الف: خداوند عالم کے ازلی صفات

علم، قدرت، حیات، ارادہ اور اس جیسی صفات سے متصف ہونے میں متکلمین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ صفات قرآن مجید کی بہت سی آیات میں وارد ہوئے ہیں لیکن

بحث یہ ہے کہ یہ صفات خداوند عالم کے لئے کس طرح قابل تصور ہیں؟ آیا عین ذات ہیں یا زائد بر ذات؟ اکثر معتزلہ عین ذات جانتے ہیں اور بعض اہل حدیث (مشبہہ) زائد بر ذات تصور کرتے ہیں اشعری نے بھی زائد بر ذات ہونے کے نظریہ کو منتخب کیا ہے لیکن اس میں ایک حاشیہ لگا دیا ہے کہ یہ صفات ازلی ہیں نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات، بلکہ حقیقت میں قائم بالذات ہیں۔ جیسا کہ شہرستانی نے کہا ہے:

قال ابو الحسن: الباری تعالیٰ عالم بعلم، قادر بقدرۃ، حی بحیاء، مرید بارادۃ، ... قال: وهذه الصفات ازلیة قائمة بذاته تعالیٰ، لا یقال: هی ہو، و لا ہی غیرہ، لا ہو، و لا، لا غیرہ.

”اشعری نے کہا ہے کہ خداوند عالم، علم کے ذریعہ عالم، قدرت کے ذریعہ قادر، حیات کے ذریعہ حی اور ارادہ کے ذریعہ مرید ہے۔ یہ صفات ازلی اور قائم بہ ذات اللہ ہیں ان کو نہ عین ذات کہا جاسکتا ہے اور نہ غیر ذات۔“ (۱)

اس کے اس حاشیہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

۱۔ یہ بات اشعری کی ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے عبداللہ بن کلاب کے ذریعہ اسکا تذکرہ ہو چکا ہے جیسا کہ اشعری نے خود مقالات الاسلامیین میں اسکا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ اشعری کا مقصد تعدد قدماء کے مشہور اعتراض کا جواب دینا تھا اسی لئے اس نے ایک درمیانی راستہ انتخاب کیا تا کہ تعدد قدماء کا اعتراض اس کے اوپر وارد نہ ہو سکے اگرچہ اسکا یہ جواب تعدد قدماء کے اشکال کو برطرف کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ تعدد قدماء کے اعتراض کی بنیاد صفات کا ذات سے مغایر ہونا ہے جیسا کہ ابن خلدون نے اس اعتراض کو پیش کرنے کے بعد اسکے جواب میں کہا:

وہو مردود بان الصفات لیست عین الذات ولا غیرھا؛ ”یہ نظریہ قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ صفات عین ذات ہیں غیر ذات نہیں۔“

اسی وجہ سے اشعری نے درمیان کا راستہ منتخب کیا تا کہ اس پر یہ اعتراض نہ کیا جاسکے۔ (۱) لیکن درحقیقت مذکورہ اعتراض کے مقابلہ میں یہ جواب قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ اگر صفات ازلی کی حقیقت ہے اور وہ عین ذات نہیں ہیں تو اپنے وجود میں یا ذات سے بے نیاز ہیں یا اسکے محتاج اگر بے نیاز ہوں تو تعدد قدماء کا اعتراض صحیح ہوگا ورنہ ایک دوسرے اعتراض کا سامنا ہوگا کہ جس کے پاس خود صفات نہ ہوں وہ دوسروں کو ان صفات سے کیسے متصف کر سکتا ہے؟

ب۔ صفات خبریہ

قرآن کریم میں خداوند عالم کے لئے بعض صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے جیسے: ید، وجہ، مجہی، استواء، بعرش وغیرہ... ان صفات کو صفات خبریہ کہتے ہیں۔ معتزلہ ان صفات کے سلسلہ میں تاویل کے قائل ہیں جبکہ بعض اہل حدیث ظواہر سے وابستہ ہیں اشعری نے درمیان کا راستہ منتخب کیا یعنی معتزلہ کی تاویل کو قبول نہ کر کے پروردگار کو ان صفات کا واقعی حامل قرار دیا ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ ان کی کیفیت میں بحث کرنا صحیح نہیں ہے اگرچہ اس بات کو بھی اشعری سے پہلے اہل حدیث اور حنابلہ بیان کر چکے تھے اس روش کو تاویل کے مقابلہ میں تفویض کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے جیسا کہ شیخ محمد بن عبدہ نے بیان کیا ہے کہ سلف تفویض کی بنیاد پر تنزیہ کا دفاع کرتے تھے اور خلف تاویل کی بنیاد پر۔ (۲)

ج۔ کلام الہی کا حادث یا قدیم ہونا

اہل حدیث اور حنابلہ کا اصرار ہے کہ قرآن قدیم ہے اور اس کے حادث ہونے کا عقیدہ کفر ہے

جیسا کہ احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ قرآن کلام الہی ہے اور مخلوق نہیں ہے جو اس کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے اور اگر کوئی توقف کا قائل ہو تو وہ اس سے بھی بدتر ہے۔ (۱) اسکے مقابلہ میں معتزلہ قرآن کے حادث ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور ان کے اس اصرار کے نتیجہ میں تاریخ میں بہت تلخ واقعات رونما ہوئے ہیں۔

تاریخ کے اس دور کو مِخْنَة (رنج و الم) کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ ابوالحسن اشعری نے اس سلسلہ میں اہل حدیث کی تائید کی ہے وہ کلام الہی کے لئے دو مراتب کا قائل ہے:

۱۔ کلام نفسی

۲۔ کلام لفظی

اور اس کا کہنا ہے کہ جو قدیم ہے وہ کلام نفسی ہے۔ شہرستانی نے اشعری کے نظریہ کو اس طرح بیان کیا ہے جو عباراتیں اور الفاظ فرشتوں کے ذریعہ پیغمبروں پر نازل ہوتے ہیں وہ کلام الہی کی دلیلیں اور نشانیاں ہیں اور یہ دلیل اور نشانیاں مخلوق و حادث ہیں جبکہ مدلول قدیم اور ازیلی ہے۔ قرأت اور مقروء، تلاوت اور متلو کے درمیان فرق ذکر اور مذکور جیسا ہے کہ ذکر حادث ہے اور مذکور قدیم۔ اشعری نے اس فکر کے ذریعہ حشو یہ کی مخالفت کی ہے جو لوگ حروف اور کلمات کو بھی قدیم جانتے تھے اشعری کی نظر میں حقیقت کلام قائم بنفسہ ہے اور عبارات و الفاظ اسکی دلیل ہیں۔

لہذا اشعری کی نظر میں متکلم وہ ہے جس کے ذریعہ صفت کلام قائم ہو اور معتزلہ کی نظر میں متکلم وہ ہے جو کلام کو ایجاد کرے۔ لہذا کلام کا اطلاق لفظ اور عبارات پر یا مجازی ہو گا یا مشترک لفظی۔ (۲)

د۔ خلق افعال و کسب

معتزلہ اور ظاہر پسند کے درمیان اختلافی مسائل میں سے مسئلہ قدر یا خلق افعال ہے۔ معتزلہ نے پروردگار کی عدل و حکمت کی تائید میں قدر کا عقیدہ اختیار کیا اور انسان کے افعال

اختیاری کو قدر الہی کے دائرے سے باہر شمار کیا۔ اس کے مقابل میں ظاہر پسندوں نے ارادہ اور قدر الہی کی عمومیت نیز اصل توحید و خالقیت کی تائید میں انسان سے ہر قسم کی خالقیت کی نفی کر دی اور انسان کے اعمال چاہے نیکیاں ہوں یا برائیاں سب کو مخلوق خدا شمار کیا ہے۔

شیخ اشعری نے اعتزال سے کنارہ کشی کے وقت اس عقیدہ کی تائید کی اور کہا:

ان اعمال العباد مخلوقۃ للہ مقدورۃ.

”بندوں کے افعال خدا کی مخلوق اور اسکے معین کئے ہوئے ہیں“

لیکن جبر کے غلط نتائج اور انسان کے اختیار کی توجیہ کے لئے کسب کا نظریہ منتخب کیا جو اس سے پہلے حسین نجار اور ضرار بن عمرو پیش کر چکے تھے۔

کسب کی تفسیر کے سلسلہ میں علماء اشعری کے نظریات میں اختلاف ہے۔ لیکن سب سے مشہور نظریہ یہ ہے کہ کسب سے مراد فعل کے وجود کا انسان کے ارادہ اور اسکی قدرت سے ہماہنگ ہونا ہے بغیر اسکے کہ انسان کے ارادہ یا اسکی قدرت کو اس امر کے موجود ہونے میں ذرہ برابر دخل ہو جیسا کہ قوشچی نے کہا ہے:

والمراد بکسبه اياه مقارنته لقدرته و ارادته من غير ان يكون هناك منه

تأثير او مدخل في وجوده سوى كونه محلاً له. (۱)

”کسب سے مراد یہ ہے کہ انسان کے افعال اسکے ارادہ اور قدرت سے انجام پاتے ہیں لیکن ارادہ اور قدرت کا فعل میں کوئی دخل نہیں ہوتا سوائے اسکے کہ فعل اس سے سرزد ہوتا ہے۔“

کسب کے نظریے کی نہ صرف یہ کہ اشاعرہ نے تنقید کی ہے بلکہ خود اشعری علماء نے بھی اسکو غلط

جانا ہے۔ (۲)

احمد امین مصری نے اس نظریہ کو جبر کا دوسرا رخ قرار دیا ہے اور کہا ہے:

وهو. كما ترى. لا يقدم فى الموضوع ولا يؤخر، فهو شكل جديد فى التعبير

عن الجبر (۱)

”اس کا باطل ہونا واضح ہے اور یہ جبر کی ایک نئی شکل ہے۔“

سوالات

- ۱۔ علم کلام میں اشعری کی روش بیان کریں۔
- ۲۔ خداوند عالم کے صفات ازلی کے بارے میں اشعری نظریہ تحریر کریں۔
- ۳۔ صفات خبریہ کے بارے میں اشعری روش بیان کریں۔
- ۴۔ کلام الہی کے بارے میں اشعری نظریہ تحریر کیجئے۔
- ۵۔ قدر الہی اور خلق افعال میں خود اشعری کا کیا نظریہ ہے؟
- ۶۔ مذہب اشاعرہ میں نظریہ کسب کی سب سے مشہور تفسیر بیان کریں۔

اٹھائیسواں سبق:

مذہب اشعری میں تغیر و تبدیلی

۱۔ اشعریوں کے خلاف رد عمل

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے چوتھی صدی کے شروع میں اشعری نے معتزلی مذہب سے الگ ہو کر اپنے عقائد کی نشر و اشاعت شروع کی اور ان کی زندگی کے آخری ایام تک ان کے پیروں کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ ہو گیا لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشعری کی زندگی ہی میں اس کے مذہب کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ لہذا سب سے پہلے معتزلیوں نے جو اچانک اپنے درمیان سے اشعری کے نکل جانے سے پریشان تھے اس کی مخالفت کی آواز بلند کی اسکے علاوہ ظاہر پسندوں اور حنبلیوں نے بھی اشعری کے نظریات کو شک و تردید کی نگاہوں سے دیکھا اور ان لوگوں کا کہنا تھا کہ آخر یہ کون ہے جو معتزلہ کی مخالفت کے باوجود ظواہر دینی کو بے کم و کاست قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اسی طرح جس زمانہ میں اشعری بصرہ اور بغداد میں دینی عقائد کی اصلاح میں مصروف تھا، سمرقند میں ابو منصور ماتریدی نے اشعری جیسے نظریات کے ساتھ قیام کیا۔ اس کے شاگرد اشعری کے مذہب کو ایک ناقص اور ناکام اصلاح سمجھتے تھے اور اسے ابن الوقت قرار دیتے تھے جبکہ ماتریدی عقائد کو حقیقی سنی مذہب کا زندہ کرنے والا جانتے تھے۔

۲۔ سیاسی تبدیلی اور اشعری مذہب کا رواج

پانچوں صدی کے نصف تک سلجوقیوں کے قیام سے پہلے پہلے اشعری مذہب کو زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی اس لئے کہ اس سے ایک صدی پہلے آل بویہ حکومت کر چکے تھے لہذا عقلی رجحان رکھنے والوں کے لئے مناسب ماحول موجود تھا۔

سلجوقیوں کے حکومت حاصل کرتے ہی حالات اشعریوں کے حق میں بدل گئے اور اہل سنت میں اشعری مذہب کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہو گئی اس لئے کہ سلجوقی وزیر نظام الملک کے حکم سے یہ طے پایا کہ بغداد اور نیشاپور کے مدرسوں میں اشعری مذہب کے مطابق تعلیم دی جائے اسکے بعد سے اشعری مذہب کو قانونی حیثیت حاصل ہو گئی اور اشاعرہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کلامی مذاہب کی مخالفت شروع کر دی جو صرف کلامی مخالفت تک محدود نہ رہ کر سیاسی صورت بھی اختیار کر گئی۔ ہانری کاربن کا کہنا ہے کہ باطنیوں اور فلسفیوں سے غزالی کی دشمنی کا مقصد قاہرہ کی فاطمی حکومت سے دشمنی تھا اس لئے کہ قاہرہ کی حکومت فلسفیوں کا دفاع کرتی تھی اور باطنیوں کے اصول عقائد سے فائدہ اٹھاتی تھی۔

”تاریخ فلسفہ در جہان اسلامی“ کتاب کے مؤلفین نے بھی غزالی کی مخالفت کو سیاسی قرار دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اسلام کے لئے باطنیوں کا خطرہ زندیقیوں اور مجوسیوں سے زیادہ سخت نہیں تھا اور اگر کچھ خطرہ تھا بھی تو وہ اسلام سے زیادہ ان کی حکومت اور خلافت کو تھا۔ لہذا غزالی کا محاذ ایک سیاسی محاذ تھا نہ ہی نہیں۔

۳۔ اشعریوں میں عقلی رجحان والے

تاریخ کے اس دور میں جب اہل سنت کی دنیا میں اشعری مذہب کو قانونی حیثیت حاصل تھی اور عقل رجحان والوں کا ستارہ بظاہر ڈوب چکا تھا لیکن پھر بھی مکمل طور پر اس کا خاتمہ نہیں ہوا تھا اور صدیوں بعد تک معتزلی افراد مناسب موقعوں پر اپنے عقائد کا دفاع کرتے رہے بلکہ خود اشعری متکلمین میں بھی

بعض ایسے افراد دکھائی دیتے ہیں جو عقلی نظریات کی قدر کرتے تھے یا اشعری نظریات کی مخالفت کرتے تھے۔

الف۔ خیالی اور عبدالحکیم

”تاریخ فلسفہ در جہان اسلام“ کے مؤلفین نے کہا ہے کہ بہت جلد ہی اشعری عقائد میں تبدیلی شروع ہو گئی یعنی اشعری عقل کی طرف مائل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ عقل کو نقل پر ترجیح دینے لگے۔ جیسا کہ خیالی اور عبدالحکیم نے عقائد نسفی کے حاشیہ پر کہا ہے کہ اگر کسی جگہ پر نص کسی ایسی چیز کو بیان کر رہی ہو جو عقل کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو تو نص کی تاویل کرنا چاہیے عقل کو نقل پر اس لئے فوقیت حاصل ہے کہ عقل اصل ہے اور نقل فرع۔ نقل صانع کے اثبات اور اسکی عالم و قادر ہونے پر موقوف ہے لہذا نقل کے ذریعہ عقل کو باطل سمجھنا فرع کے ذریعہ اصل کو باطل کرنا ہے اور یہ عقل و نقل دونوں کو باطل قرار دینا ہے۔ (۱)

ب۔ شیخ محمد عبدہ

متاخرین اشاعرہ میں بھی بہت سے افراد ہیں جو عقل کی طرف مائل ہیں جن میں سے ایک شیخ محمد عبدہ ہیں جو اشعری مذہب کے تابع ہونے کے باوجود اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اہم ترین اختلافی مسائل میں اشاعرہ کی کھل کر مخالفت کرتے ہیں۔ حسن و قبح عقلی جو اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اہم ترین اختلافی مسئلہ ہے اسکے بارے میں شیخ محمد عبدہ کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کی آیت:

﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (۲)

”وہ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں۔“

”میں معروف سے مراد وہ ہے جسکو سالم عقلیں اچھا سمجھیں اور فطرت و مصلحت کے ساتھ

ہمائیگی کی بنیاد پر پاکیزہ قلوب اسکو پسند کریں۔ اور منکروہ ہے جو اس کے برخلاف ہو یعنی سالم عقلیں اسکا انکار کریں اور پاکیزہ قلوب اس سے نفرت کریں۔ معروف و منکر کی تفسیر اس انداز میں بیان کرنا کہ معروف وہ ہے جس کا شریعت حکم دے اور منکروہ ہے جس سے شریعت رو کے یہ تفسیر ایسی ہے جیسے پانی کی تفسیر پانی سے کی جائے۔ البتہ ہماری اس بات کا مطلب حسن و قبح عقلی کے سلسلہ میں نہ معتزلہ کی مکمل حمایت ہے اور نہ اشاعرہ کی مخالفت ہم جزئی طور پر دونوں کے موافق و مخالف ہیں۔ ہم نہ عقل کی اس قدرت سے انکار کرتے ہیں کہ وہ حسن افعال کو درک کر سکتی ہے جیسا کہ اشاعرہ اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ اور نہ خداوند عالم کے لئے کسی چیز کو واجب جانتے ہیں جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔“ (۱)

”عقل“ کے ذریعہ حسن و قبح کا ادراک کرنے کا عقیدہ اشاعرہ کی کھلی ہوئی مخالفت ہے اور جو لوگ مسئلہ وجوب علی اللہ کے مخالف ہیں انھوں نے وجوب کی صحیح تفسیر نہیں کی ہے۔ جیسا کہ محقق طوسی کا کہنا ہے کہ ان لوگوں نے وجوب کلامی کو وجوب فقہی سے مشتبہ کر دیا ہے۔ (۲)

ج۔ شیخ شلتوت

ان کا شمار بھی عصر حاضر کے عقل گرایان میں ہوتا ہے۔ یہ جبر کے سلسلہ میں اشعری کے نظریہ کسب کو کافی نہیں سمجھتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنا نظریہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میری نظر میں خداوند عالم نے انسان کے اندر قدرت و ارادہ کو بیکار نہیں پیدا کیا بلکہ ان دونوں کو جزاء اور سزا کا معیار قرار دیا ہے جب انسان خیر یا شر کو منتخب کرتا ہے تو خداوند عالم اسکو قہری طور پر اس چیز کو جاری رکھنے سے نہیں روکتا جبکہ انسان کی قدرت و اختیار ہمیشہ خداوند عالم کے قبضہ قدرت میں ہے اگر وہ چاہے تو جذبہ خیر کو اس سے سلب کر لے تاکہ انسان مجسم برائی کی شکل اختیار کر لے یا جذبہ شر کو اس سے چھین لے تاکہ انسان نیکیوں کا پیکر بن جائے۔ لیکن حکمت الہی کا تقاضا وہی تھا جو انسان کی ذات میں

نظر آتا ہے (۱) کہ اس کی ذات فجور اور تقویٰ دونوں کا مجموعہ ہے۔

سوالات

- ۱۔ اشعریوں کے خلاف سب سے پہلا رد عمل تحریر کریں۔
- ۲۔ سیاسی تبدیلی اور اشعری مذہب کے رائج ہونے پر روشنی ڈالیں۔
- ۳۔ تاریخ فلسفہ در جہان اسلامی کے مؤلفین نے مذہب اشعری کے فکری نشیب و فراز کے بارے میں کیا کہا ہے؟
- ۴۔ شیخ محمد عبدہ کی عقل گرانی کی وضاحت کریں۔
- ۵۔ شیخ شلتوت کون تھے؟ اشعری نظریہ کسب اور مسئلہ اختیار کے بارے میں ان کا نظریہ تحریر کریں۔

انٹیسواں سبق:

مشہور اشعری متکلمین

یہاں پر بعض مشہور اشعری متکلمین کا مختصر تذکرہ کرنا مناسب ہے:

۱۔ قاضی ابوبکر باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ): بصرہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں انتقال کیا ابن خلدون نے ان کے بارے میں کہا ہے:

”وہ اشعری علم کلام کے رہبر قرار پائے اور اسکی ترمیم و تہذیب کا کام انجام دیا اور ان عقلی مقدمات کی بنیاد رکھی جن پر کلامی دلیلیں قائم ہو سکتی ہیں۔ لیکن فلسفی علوم سے مشابہت کی بنیاد پر ان کے یہ مقدمات اشعری متکلمین کی توجہات کا مرکز نہیں بن سکے۔“ (۱)

ان کے لئے بہت سی تالیفات کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ان میں جو طبع ہوئی ہیں اور موجود ہیں ان کے نام یہ ہیں: اعجاز القرآن، تمہید الأوائل وتلخیص الدلائل، الانصاف فی اسباب الخلاف.

۲۔ ابواسحاق اسفرائینی (متوفی ۴۴۸ھ): یہ شاعرہ کے قابل توجہ افراد میں سے تھے متاخرین میں استاد کے لقب سے مشہور ہیں۔ قاضی عبدالجبار معزلی کے ہم عصر تھے ان کی بحث و گفتگو آپ کے ساتھ جو صاحب بن عباد کے سامنے ہوئی کافی مشہور ہے۔ ان کے مطبوعہ اور مشہور

آثار میں التبصیر فی الدین ہے۔

۳۔ عبد الملک جوینی معروف بہ امام الحرمین (متوفی ۴۷۸ھ): یہ نیشاپور میں پیدا ہوئے وہیں تحصیل علم میں مصروف ہوئے فقہ شافعی اور کلام اشعری میں صاحب نظر تھے ابن اثیر نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ: ۴۵۶ھ میں طغرل بیگ کے وزیر کی اشاعرہ سے دشمنی کی بناء پر انھوں نے خراسان کو چھوڑ دیا اور چار سال مکہ اور مدینہ میں دینی تعلیم و تربیت میں بسر کئے اسی لئے امام الحرمین کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر عہد نظام الملک میں دوبارہ نیشاپور واپس آئے اور مدرسہ نظامیہ میں تدریس میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے مسئلہ جبر میں اشعری کی مخالفت کی اور نظریہ اختیار کو اسباب اور علل طولی کی بنیاد پر تحلیل کیا۔ شہرستانی کا کہنا ہے کہ انھوں نے اس نظریہ کو حکماء الہی سے حاصل کر کے کلام کے لباس میں پیش کیا۔ (۱)

ان کی دو کتابیں مشہور ہیں: الشامل فی اصول الدین اور الارشاد فی اصول الدین۔

ابن خلدون نے جوینی اور ان کی دونوں کتابوں کے بارے میں کہا ہے :

”قاضی ابوبکر باقلانی کے بعد امام الحرمین کا ظہور ہوا انھوں نے کتاب الشامل کو اشعری کے طور پر املا کیا اور اس میں تفصیل سے گفتگو کی اور اسکے بعد الارشاد کو اس کے خلاصہ کے طور پر لکھا لوگوں نے ان کو اپنے عقائد میں رہبر تسلیم کیا۔“ (۲)

۴۔ امام محمد غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) وہ ۴۵۰ھ میں طوس کے اطراف میں پیدا ہوئے۔

تعلیم کے لئے نیشاپور کا سفر کیا۔ امام الحرمین کی شاگردی اختیار کی۔ آگے بعد نظام الملک سے رابطہ پیدا کیا اور ۴۸۴ھ میں بغداد کی دانشگاه نظامیہ میں استاد کے طور پر ان کا تقرر ہوا۔ ۳۶ سال کی عمر میں فکری انتشار کا شکار ہو گئے اور درس و تدریس نیز اہل و عیال کو چھوڑ کر تقریباً دس سال تنہا اسلامی ممالک کی سیر و سیاحت میں مصروف رہے اکثر اوقات مکمل و تفکر اور روحانی ریاضت میں مصروف

رہتے تھے۔ اس مدت میں کئی مشہور کتابیں تالیف کیں۔ خاص طور پر احیاء علوم الدین - ۴۹۹ھ میں اس حالت کو چھوڑ کر دوبارہ نیشاپور واپس آئے اور وہاں مدرسہ نظامیہ میں تدریس میں مشغول ہو گئے۔ (۱)

لیکن دو سال بعد اسکو بھی چھوڑ دیا اور طوس میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ۵۰۵ھ میں اپنے ہی وطن میں انتقال کیا۔ غزالی نے علم کلام کے ساتھ متضاد رویہ اختیار کیا ہے ایک جگہ اس میں مشغولیت کو اسکی آفات کی بناء پر حرام قرار دیا ہے سوائے دو قسم کے افراد کے ایک وہ جو خود شبہہ میں مبتلا ہوں اور ان کا شبہہ موعظہ و نصیحت اور اخبار منقول کے ذریعہ دور نہ ہوتا ہو اور دوسرے جو خود تو شبہہ میں مبتلا نہ ہو لیکن دوسروں کو شبہات سے بچانا چاہتے ہوں۔ دوسری جگہ پر غزالی نے علم کلام کی تعریف و تجمید کی ہے اور کہا ہے کہ:

”علم توحید سب سے اشرف اور اکمل علم ہے اسکا حاصل کرنا ضروری ہے اور حدیث طلب العلم کے ضمن میں اسکا سیکھنا سب پر واجب ہے۔“ (۲)

ان دونوں نظریات کو جمع کرنے کے لئے علماء نے کہا ہے کہ غزالی کی پہلی تعریف سے مراد علماء کلام کا وہ درس ہے جو جدلی دلائل پر مشتمل ہونے کے باوجود حقیقت میں معارف توحیدی تک پہنچانے سے عاجز ہے جبکہ دوسرے نظریہ سے مراد اصل کلام ہے۔

۵۔ فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ): اشعری متکلمین میں شہرت کے مالک ہیں جن کی فکر نے اشعری مذہب میں کافی تبدیلی پیدا کی۔ یہ عقلی و نقلی علوم کے مختلف شعبوں جیسے فلسفہ، کلام، منطق، اخلاق، اصول فقہ، فقہ، ریاضیات، نجوم، طب وغیرہ سب کے عالم تھے۔ ان کے کلامی آثار کی تعداد دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ قابل توجہ ہے جو اس علم سے ان کی زیادہ دلچسپی کی علامت ہے۔

ان کے بعض مشہور کلامی آثار اس طرح ہیں: ۱. الاربعین فی الاصول الدین ۲. اساس التقدیس (تاسیس التقدیس) ۳. شرح اسماء اللہ الحسنی ۴. محصل افکار المتقدمین والمتاخرین، محقق طوسی نے اس پر تنقید لکھی ہے جو نقد المحصل یا تخلص المحصل کے نام سے مشہور ہے۔ ۵. المطالب العالیہ، یہ علم کلام کی سب سے تفصیلی کتاب ہے۔

فخر الدین رازی اصول ومبانی میں اشعری مذہب کے تابع تھے لیکن اپنے استدلالات میں منطق و فلسفہ سے بہت فائدہ اٹھاتے تھے اسی وجہ سے ان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں اشعری کلام میں ایک انقلاب برپا کیا اور اسے مضبوط بنایا۔

۶۔ عبدالکریم شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ): ۴۷۹ھ میں خراسان کے شہر، شہرستان میں پیدا ہوئے اور کچھ اسلامی ممالک کا سفر کرنے کے بعد اپنے وطن میں انتقال کیا۔ کتاب الملل والنحل تالیف کی جو علم ملل و نحل کی سب سے مشہور کتاب ہے۔ اشعری کلام میں صاحب نظر تھے اور اس سلسلہ میں: نہایۃ الاقدام فی علم الکلام نامی کتاب تالیف کی۔

۷۔ عضد الدین ایبکی (متوفی ۵۶۱ھ یا ۵۶۵ھ): شیراز کے اطراف میں واقع اتج نامی شہر میں پیدا ہوئے اور کرمان میں انتقال کیا۔ مشہور اشعری متکلمین میں سے تھے۔ ان کی مشہور کتابیں:

۱. المواقف فی علم الکلام ۲. شرح مختصر الاصول - میر سید شریف جرجانی نے ان کی کتاب مواقف پر ایک تفصیلی شرح لکھی ہے جو مشہور اور معتبر کلامی متون میں شمار ہوتی ہے۔ ایبکی اشعری ہونے کے باوجود بعض مسائل میں اشعری دلائل پر تنقید کرتے تھے جیسا کہ انھوں نے صفات الہی کے سلسلہ میں صفات کے زائد ہونے پر اشاعرہ کی تینوں دلیلوں کا انکار کیا ہے اگرچہ اسکی نفی کرنے والوں کی دلیلوں کو بھی قبول نہیں کیا ہے۔ (۱)

۸۔ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۱ھ یا ۷۹۳ھ): تفتازان کے دیہات میں پیدا ہوئے اور سمرقند میں انتقال کیا۔ پوری زندگی تعلیم و تدریس و تالیف میں گزاری خاص طور پر منطق، ادبیات، اور کلام میں عظیم درجات پر فائز ہوئے۔ ان کی مشہور کتاب شرح المقاصد ہے جو کلام اشعری میں جامع ہونے کے اعتبار سے جرجانی کی شرح مواقف کی رقیب کہی جاسکتی ہے۔ دوسری مشہور کتاب شرح العقائد النسفیہ ہے۔ ان کے مشہور اساتذہ قاضی عضد الدین ایبکی اور قطب الدین رازی تھے۔

۹۔ میر سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ): استرآباد کے نزدیک تاکونامی دیہات میں پیدا ہوئے اور شیراز میں انتقال کیا۔ مشہور اشعری متکلمین میں سے ہیں اور دقت نظر کے اعتبار سے تفتازانی پر فوقیت رکھتے تھے ان کی شرح بھی جو انھوں نے ایبکی کی المواقف پر تحریر کی مشہور متن کلامی ہے۔ قطب الدین رازی کے شاگردوں نیز محقق دوانی کے استادوں میں سے تھے جو دونوں شیعہ متکلم ہیں۔ شہید ثالثؒ نے ان کو شیعہ متکلمین میں شمار کیا ہے۔

۱۰۔ علاء الدین قوشچی (متوفی ۸۷۹ھ): ریاضیات، ہیئت اور کلام میں صاحب نظر تھے۔ تجرید الاعتقاد پر ان کی شرح مشہور ہے۔ یہ کتاب بھی اشعری عقائد و نظریات کے مصادر میں شمار ہوتی ہے اس کتاب میں شیعوں اور اشعریوں کے بعض اختلافی مسائل میں مصنف کے نظریہ کی تنقید کی گئی ہے اگرچہ اکثر نظریات کی صرف تشریح پر ہی اکتفا کیا ہے۔

سوالات

- ۱۔ قاضی ابوبکر باقلانی کون تھے ان کے بارے میں ابن خلدون نے کیا کہا ہے؟
- ۲۔ ”استاذ“ کس اشعری متکلم کا لقب ہے؟ قاضی عبد الجبار معتزلہ کے ساتھ ان کی گفتگو بیان کریں۔
- ۳۔ امام الحرمین اور مسئلہ جبر و اختیار میں ان کے نظریہ کے بارے میں لکھیں اور ان کے سلسلہ میں ابن خلدون کا کلام نقل کریں۔
- ۴۔ غزالی کے حالات زندگی علم کلام میں ان کے نظریہ کے ساتھ تحریر کریں
- ۵۔ فخر الدین رازی اور علم کلام میں ان کے کردار پر روشنی ڈالیں
- ۶۔ شہرستانی اور ایچی کون تھے؟ ان کے کلامی آثار تحریر کریں۔
- ۷۔ تفتازانی کے دو کلامی آثار اور علم کلام میں ان کے اساتید بیان کریں۔
- ۸۔ میر سید شریف گرگانی اور قاضی قوشچی کی شخصیت اور ان کے کلامی آثار پر روشنی ڈالیں۔

تیسواں سبق:

ماتریدی مذہب کے بانی

اسلامی فرقوں کے جارحانہ رویہ خاص طور پہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اہل حدیث اور معتزلہ کے درمیان اختلاف اور اموی و عباسی خلفاء کی حمایت کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ اسلامی اتحاد کو نقصان پہنچا بلکہ اسلامی عقائد کو بھی خطرات کا سامنا کرنا پڑا لہذا تاریخ کے اس دور میں ایک اصلاحی تحریک کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی رہی اور تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ معصومینؑ ہمیشہ اس اصلاحی تحریک میں کوشاں رہتے تھے۔ اسکی بہترین دلیل حدوث و قدم قرآن کے سلسلہ میں ان کی مدبرانہ اور حکیمانہ روش ہے جیسا کہ امام رضاؑ نے بغداد میں اپنے ایک شیعہ کے نام خط میں تحریر کیا کہ: ”ہم قرآن کے سلسلہ میں جدال کو بدعت سمجھتے ہیں اور اس سلسلہ میں سائل اور مجیب دونوں شریک ہیں خدا کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے اور جو کچھ ہے سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے لہذا قرآن جو کلام الہی ہے اس پر اپنی طرف سے کوئی نام نہ تھوپو ورنہ گمراہوں میں سے ہو جاؤ گے۔“ (۱) لیکن بد قسمتی سے امت اسلامی خاندان رسالت سے جدا ہو کر ان کی حیات بخش تعلیم سے محرومی کا شکار ہو گئی اس زمانہ میں دنیائے تسنن میں اصلاح طلبی کی اس تحریک میں تین شخصیتوں نے

حصہ لیا۔ ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۳۰ھ) عراق میں۔ ابو منصور ماتریدی (متوفی ۳۳۳ھ) سمرقند میں۔ ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) مصر میں۔ شروع کی دونوں شخصیتوں نے الگ سے اپنے کلامی مکتب کی بنیاد رکھی جو ان کے نام سے مشہور ہوا۔ اور آخری شخصیت یعنی طحاوی نے زیادہ تر ابو حنیفہ کے کلامی نظریات کو بیان کیا۔ گذشتہ درس میں اشعری کے حالات بیان ہوئے یہاں پر ماتریدی مذہب کے بارے میں مختصر تذکرہ مقصود ہے۔

ماتریدی کی شخصیت اور علمی آثار

اس مذہب کے بانی ابو منصور ماتریدی ہیں جس کا پورا نام محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی ہے۔ ان کا سلسلہ نسب پیغمبر اسلام ﷺ کے مشہور صحابی ابو ایوب انصاری تک پہنچتا ہے۔ ان کے پیروان کو الشیخ، الفقیہ، علم الہدی، امام الہدی اور امام المتکلمین جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۳۳۳ھ بیان کی گئی ہے اور تاریخ ولادت کے بارے میں ۲۳۸ھ یا ۲۴۸ھ بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر، کلام، اصول فقہ اور دوسرے علوم میں ان کی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں سے بعض کے نام اس طرح ہیں:

ان کی طبع شدہ کتابیں: ۱۔ التوحید: یہ کتاب ماتریدیہ کے اولین مراجع میں شمار ہوتی ہے جو ہمیشہ اس مذہب کے اساتذہ و تلامذہ کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ ۲۔ تاویلات اہل السنة: اس کتاب میں آیات کی تفسیر ہے جس میں ماتریدی نے اپنے اصولی اور فقہی نظریات کے ساتھ اپنے امام ابو حنیفہ کے نظریات سے بھی استفادہ کیا ہے لہذا یہ کتاب اعتقادی اور فقہی کتاب کہی جاسکتی ہے۔ ۳۔ پسند نامہ: یہ کتاب حکمت، موعظہ، اور اخلاق کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ کتاب ”تاریخ فلسفہ در اسلام“ کے مؤلف ماتریدی کی علمی عظمت کے بارے میں لکھتے ہیں: ماتریدی اور دوسرے بزرگ اشعری علماء

جیسے عبدالقاہر بغدادی، امام الحرمین وغیرہ نے جو دلائل و برہان حدوث عالم، وجود خدا، توحید اور ذات و صفات نیز عقل کی اہمیت اور وحی و نبوت کی ضرورت پر قائم کئے ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اثر اہل سنت کے متکلمین پر کتنا زیادہ تھا۔ شیخ محمد عبیدہ جو عصر حاضر میں نئے سرے سے اصلاحی کوشش کرنے والوں میں سرفہرست ہیں انھوں نے ماتریدی ہی کا اتباع کیا ہے جیسا کہ العقائد العضدیہ پر ان کی تعلیقات سے ظاہر ہوتا ہے۔ (۱)

ماتریدی کے اساتذہ و تلامذہ

الف۔ اساتذہ: ماتریدی نے سامانی حکومت کے دور اقتدار میں پرورش پائی جنھوں نے اپنے دربار میں مختلف قسم کے علماء اور افاضل کو جمع کر رکھا تھا اور ایران کو ایک پرسکون علمی معاشرہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ اسی سرزمین پر ماتریدی نے اس زمانہ کے چار مشہور علماء سے مختلف اسلامی علوم میں کسب فیض کیا:

۱۔ ابوبکر احمد بن اسحاق جوزجانی

۲۔ ابونصر احمد بن عباس معروف بہ فقیہ سمرقندی

۳۔ نصیر بن یحییٰ بلخی (متوفی ۲۶۸ھ)

۴۔ محمد بن مقاتل رازی قاضی ری (متوفی ۲۳۸ھ)

ب۔ شاگرد:

۱۔ ابوالقاسم اسحاق بن محمد بن اسماعیل مشہور بہ حکیم سمرقندی

۲۔ امام ابواللیث بخاری

۳۔ امام ابو محمد عبدالکریم بن موسیٰ بزودی

۴۔ امام ابوالحسن علی بن سعید الرستغنی (۱)

ماتریدی کی نظر میں معرفت کے منابع

ماتریدی نے کتاب توحید کے آغاز میں عقیدہ و ایمان کے سلسلہ میں تقلید کو غلط جانا ہے اور کہا ہے کہ مختلف اسلامی فرقے اپنے کو حق اور دوسروں کو باطل سمجھتے ہیں اور اپنے کو سلف کا تابع قرار دیتے ہیں جبکہ اتباع سلف کو حقانیت کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ کسی عقیدہ کے ماننے والوں کی کثرت اسے حق بنا سکتی ہے کسی عقیدہ کی حقانیت صرف برہان عقلی سے ثابت ہو سکتی ہے اس طرح کہ اہل نظر کو مطمئن کر سکے۔ (۲) اور اس کے بعد ماتریدی کے ذریعہ بیان کئے گئے تینوں منابع معرفت کو ذکر کیا ہے۔ ۱۔ مشاہدہ حسی ۲۔ دوسروں کا خبر دینا ۳۔ غور و فکر

الف۔ معرفت حسی: مشاہدہ کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی معرفت کو معرفت حسی کہتے ہیں جسکا انکار کرنے والا ہٹ دھرم اور حیوانات سے بھی پست طبیعت ہے اور ایسے افراد سے بحث و مناظرہ میں دو طریقوں سے پٹنا جاسکتا ہے: یا یہ کہ ان سے پوچھا جائے کہ کیا تمہیں خود اپنے انکار کا علم ہے؟ اگر کہیں نہیں تو ان کے انکار کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اگر کہیں ہاں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے انکار کی واقعیت اور حقیقت کا اعتراف کیا ہے لہذا اس اعتراف سے ان کے انکار مطلق کی اصل باطل ہو جائے گی۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ان کی پٹائی کر دی جائے اس طرح ان کو درد کا احساس ہوگا اور ادراک حسی کی اہمیت ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔

ب۔ معرفت نقلی: دوسروں کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبریں دو طرح ہوتی ہیں: ۱۔ خبر واحد ۲۔ خبر متواتر۔ جو شخص دونوں کا انکار کرے اسکو سفسطائی قرار دیا جائے گا اس لئے کہ وہ اس انکار

(۱) بحوث فی الملل و النحل ؛ مقدمہ کتاب التوحید ، ص ۵۔

(۲) کتاب التوحید ، ص ۳۔

سے اپنے افکار کا بھی انکار کر رہا ہے اس لئے کہ اسکا انکار بھی ایک خبر ہے۔ اسکے علاوہ ایسے شخص کے لئے ہر طرح کے علم کا راستہ بند ہو جائے گا اور اسکو خود اپنے نام یا دوسری اشیاء کے نام کا علم بھی حاصل نہیں ہو پائے گا۔

لہذا خبر کا قبول کرنا عقل کی روشنی میں ایک فطری امر ہے اور انبیاء الہی کی خبریں ضروریات عقلی میں سے ہیں لہذا ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا البتہ چونکہ وہ خبریں غیر معصوم افراد کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہیں لہذا نقل کرنے والوں کے سلسلہ میں تاثر سے کام لینا چاہیے۔ اگر تواتر کی حد تک ہوں تو قبول کر لینا ضروری ہے اور اگر متواتر نہ ہونے کے باوجود ان کے صحیح ہونے کا احتمال ہو تب بھی عمل کرنا چاہیے۔

ج۔ غور و فکر: ماتریدی نے کچھ موارد کا تذکرہ کیا ہے جن میں انسان فکری اور نظری معرفت کا محتاج ہے اور اسکے بعد اس معرفت کے ضروری ہونے پر استدلال کیا ہے:

۱۔ ایسے امور جن کا حسی ادراک ممکن نہ ہو۔

۲۔ جن خبروں میں کذب و خطا کا احتمال ہو۔

۳۔ معجزات اور سحر میں فرق پیدا کرنا۔

۴۔ فکر و نظر کے عقیدہ کی مخالفت کرنے والوں کو باطل قرار دینا۔

۵۔ پروردگار کی حکمت و مصلحت کو سمجھنا۔

۶۔ زندگی کی امور کی تدبیر کرنا اور مصالح و مفاسد کو تشخیص دینا۔

اس کے علاوہ فطری طور پر انسان کا غور و فکر کی طرف مائل ہونا بھی غور و فکر کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن کریم میں بھی غور و فکر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبْلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ (۱)

”کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا۔“

﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (۱)

”جو تمہارے نفسوں میں (نشانیاں) کیا تم انہیں نہیں دیکھتے۔“

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (۲)

”زمین و آسمان کی خلقت اور شب و روز کے پے درپے آنے میں صاحبان عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔“

اصل میں انسان کی حقیقت میں دو پہلو پائے جاتے ہیں: ۱۔ خواہشات و جذبات ۲۔ عقل

جسکو عقل پسند کرتی ہے وہ خواہشات کی پسند نہیں ہوتا اور جسکو عقل برا سمجھتی ہے ضروری نہیں کہ

خواہشات بھی اسے برا سمجھیں لہذا اس ٹکراؤ کی صورت میں غور و فکر کے ذریعہ نیک و بد کی تشخیص دینا

چاہئے۔ (۳)

سوالات

۱۔ ماتریدی کا نام و نسب اور مطبوعہ آثار تحریر کیجئے۔

۲۔ ماتریدی کی علمی شخصیت کے بارے میں کتاب فلسفہ در تارخ اسلام کا نظریہ تحریر کیجئے۔

۳۔ ماتریدی کے استاذہ و تلامذہ کا تذکرہ کیجئے۔

۴۔ عقائد میں تقلید سلف کے اتباع اور عقیدہ کی حقانیت کے معیار کے بارے میں ماتریدی کا نظریہ لکھیں۔

۵۔ معرفت حسی کے بارے میں ماتریدی کا نظریہ تحریر کریں۔

۶۔ معرفت نقلی کے بارے میں ماتریدی کا نظریہ تحریر کریں۔

۷۔ معرفت عقلی کی ضرورت کے بارے میں ماتریدی کا استدلال تحریر کریں۔

اکتیسواں سبق:

علم کلام میں ماتریدی روش

علم کلام میں ماتریدی کی روش کے بارے میں علماء کے درمیان اس بات پر بحث ہے کہ کیا یہ روش اشعری کی روش کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے یا دونوں میں کوئی فرق ہے؟ اس سلسلہ میں دو نظریہ پائے جاتے ہیں:

۱۔ نظریہ مطابقت

جس طرح اشعری نے معتزلہ کی مخالفت اور اہل حدیث کی موافقت میں آواز بلند کی تھی بالکل اسی طرح ماتریدی نے بھی یہ آواز اٹھائی تھی لہذا مقصد کی طرح دونوں کی روش بھی بالکل ایک ہے۔

۲۔ نظریہ تفاوت

بعض محققین کا کہنا ہے کہ ان دونوں کی روش الگ الگ ہے۔ ماتریدی کی روش زیادہ عقلی ہے اور اسکو معتزلہ کی اور اشعریہ کی روش کے درمیان کا راستہ قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ اشعریہ کی روش معتزلہ اور اہل حدیث کی روش کا درمیانی راستہ ہے۔

ابوزہرہ کا کہنا ہے کہ ماتریدیہ کی روش میں عقل کا زیادہ اعتبار ہے برخلاف اشاعرہ کے۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشاعرہ، معتزلہ اور اہل فقہ و حدیث کی درمیانی روش پر گامزن ہیں جبکہ ماتریدیہ معتزلہ

اور اشاعرہ کی درمیانی روش پر۔ (۱)

آقای جعفر سبحانی ماتریدی کو اشعریوں سے جدا سمجھتے ہوئے ماتریدیہ کی مندرجہ ذیل صفات کا ذکر کرتے ہیں:

الف: ماتریدیہ کے یہاں عقل کا زیادہ اعتبار ہے۔

ب: ماتریدی روش اشاعرہ کے مقابلہ میں تشبیہ و تجسیم سے دور اور تنزیہ سے نزدیک ہے۔

ج: معتزلی نظریات کی شدید تنقید کے باوجود ان کی روش اشاعرہ کے مقابلہ میں معتزلہ سے

قریب ہے۔ (۲)

تحقیق اور اظہار نظر

تین مسئلے ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں:

۱۔ معتزلہ اور دوسرے فرقوں کی مخالفت میں ماتریدی کا اشاعرہ سے مقایسہ کرنا۔

۲۔ ماتریدی کی کلامی روش کا اشعری اور معتزلی روش سے مقایسہ کرنا۔

۳۔ کلامی نظریات میں ان دونوں کا دوسرے فرقوں کے ساتھ مقایسہ کرنا۔

اس سلسلہ میں صحیح بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ ان دونوں کا مقصد ایک ہونے کے باوجود ان کی روش بالکل ایک جیسی نہیں ہے ماتریدی مذہب میں عقل گرائی ظاہر گرائی پر غالب ہے لہذا یہ روش معتزلہ سے نزدیک ہے اسی وجہ سے ان کے یہاں تنزیہ کا نظریہ تشبیہ پر مقدم ہے لیکن اس کے باوجود بہت سے کلامی نظریات میں اشعریوں کے موافق ہیں اگرچہ تفسیر و تبیین میں مکمل اتفاق نہیں ہے۔

(۲) بحوث فی الملل والنحل، ج ۳، ص ۲۴۔

(۱) تاریخ المذاهب الاسلامیہ، ج ۱، ص ۱۱۹۔

ماتریدی اور حسن و قبح عقلی

اصل حسن و قبح عقلی عدلیہ (امامیہ اور معتزلہ) کے کلام میں ایک اہم اصل ہے۔ شیخ اشعری اور دیگر متکلمین نے اسکی شدید مخالفت کی ہے لیکن ماتریدی کی کتاب التوحید سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماتریدی فی الجملہ اصل حسن و قبح کو قبول کرتے ہیں اگرچہ وجوب علی اللہ کے قائل نہیں ہیں لیکن وجوب اصلح کے سلسلہ میں مخالفت کے باوجود عدلیہ کے مخالف نہیں کہے جاسکتے اس لئے کہ خود عدلیہ میں اس مسئلہ پر اتفاق نہیں ہے۔

ماتریدی نے معرفت کے لئے غور و فکر کی ضرورت پر دلیل میں حسن و قبح کی تشخیص کو ذکر کیا ہے (۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ اسکی نظر میں عقل افعال کے حسن و قبح اور ان کے مصالح و مفاسد کو درک کر سکتی ہے۔

اسی طرح معرفت دینی کے لئے عقل کی اہمیت کے سلسلہ میں ان کا کہنا ہے کہ: عقل اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ دنیا کی خلقت حکیمانہ ہے اور اس میں عبث کا گزر نہیں ہے اس لئے کہ مخالف حکمت کا عقل کی نظر میں قبیح ہے اور خلقت کا مقصد بقاء ہے فناء نہیں اگر انسانی وجود میں پائی جانے والی مختلف خواہشات کو کنٹرول نہ کیا جائے تو انسان فنا ہو جائے گا لہذا ضروری ہے کہ کوئی امام عادل ہو جو معاشرہ میں اختلافات کم کر کے انس و محبت کی فضا ہموار کرے۔ (۲)

یہ بات حقیقت میں وہی برہان لطف ہے جسکی بنیاد پر عدلیہ متکلمین ایک الہی رہبر کے وجود کو واجب جانتے ہیں لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ماتریدی کی عبارت میں حسن و قبح عقلی کا قاعدہ نیز قاعدہ لطف ہے۔ یہاں تک کہ وجوب علی اللہ کی اصطلاح بھی اشارۃً ذکر ہوئی ہے اور اس قسم کی عبارتیں ماتریدی کے کلام میں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں۔

ماتریدی کے علاوہ پیروان ابوحنیفہ کے اکثر متکلمین کا بھی یہی نظریہ ہے جیسا کہ تفتازانی نے کہا ہے کہ: بعض اہل سنت یعنی حنفی حسن و قبح عقلی کے سلسلہ میں معتزلہ کے موافق ہیں جیسے معرفت کردگار کے سلسلہ میں سب سے پہلا فریضہ غور و فکر ہے۔ پیغمبر ﷺ کی تصدیق واجب اور ان کی تکذیب حرام ہے تاکہ تسلسل ختم ہو سکے۔ شرک حرام ہے خداوند عالم کی طرف غلط کاموں کی نسبت دینا حرام ہے اور یہ کہ جو چیز پسندیدہ ہے وہ واجب ہے اور جو نا پسند ہے وہ حرام ہے۔ لیکن حنفی وجوب یا حرمت علی اللہ کے قائل نہیں ہیں اور ان کا کہنا ہے حسن و قبح اور بندوں کے افعال کا خالق پروردگار ہے عقل صرف ان میں سے کچھ امور کی معرفت کا ذریعہ ہے اور ایجاب صرف پروردگار کا حق ہے۔ (۱)

حسن و قبح کے سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ حکیم و علیم و قدیر فاعل سے انجام پانے والے افعال حسن و قبح کی جہتوں کو بیان کرتے ہیں اور عقل ان میں سے بعض کو درک کرتی ہے اس بات کو حنفی اور ماتریدی سب مانتے ہیں صرف وجوب علی اللہ کی غلط تفسیر کی بنیاد پر ان میں اختلاف ہے یعنی کلمہ وجوب سے فقہی اور اخلاقی اصطلاح مراد لیتے ہیں جبکہ عدلیہ ان معنی کا انکار نہیں کرتے اس لئے کہ اسکی بازگشت پروردگار کے صفات کمال کی طرف ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ خداوند عالم سے صرف افعال حسن ہی سرزد ہوتے ہیں اور وہ افعال قبیح سے منزہ ہے اس سلسلہ میں عقل کا کردار صرف اس موضوع کا صحیح ادراک ہے۔ (۲)

سوالات

- ۱۔ اشعری اور ماتریدی روش میں مقایسہ کے سلسلہ میں دونوں نظریہ بیان کیجئے۔
- ۲۔ بحث کی تینوں جہتوں کو الگ کر کے ماتریدی اور اشعری روش میں مقایسہ اور اسکا تجزیہ کریں۔
- ۳۔ حسن و قبح عقلی پر دلالت کے سلسلہ میں ماتریدی کا کلام ذکر کیجئے۔
- ۴۔ ماتریدی کی نظر میں حسن و قبح عقلی کے بارے میں تفتازانی کا قول تحریر کریں۔
- ۵۔ حسن و قبح کے بارے میں بنیادی نکتہ تحریر کریں نیز ”وجوب علی اللہ“ کی اصطلاح کا مطلب بیان کریں۔

بتیسواں سبق:

عدلیہ و اشعریہ

سے

ماتریدی نظریات کا مقایسہ

۱۔ خداوند عالم کی صفات

گذشتہ درس میں حسن و قبح عقلی کے سلسلہ میں ماتریدی نظریہ سے آگاہ ہوئے اور اس نظریہ کا عدلیہ اور اشاعرہ سے مقایسہ کیا۔ یہاں پر بعض دوسرے کلامی نظریات میں اسی طرح کا مقایسہ کریں گے۔
عدلیہ اور اشعریہ نے صفات الہی کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے: ۱۔ ذاتی، ۲۔ فعلی

وہ صفات جن کے ذات سے انتزاع ہونے اور ان کو ذات پر حمل کرنے میں صرف ذات کا لحاظ کرنا ہی کافی ہوتا ہے ان کو ذاتی کہا جاتا ہے جیسے حیات، قدرت وغیرہ اور جن صفات میں ذات کے علاوہ فعل کا تصور بھی ضروری ہوتا ہے ان کو صفات فعلی کہا جاتا ہے جیسے خلق، جود، کرم وغیرہ۔

ماتریدی اس تقسیم کو نہیں مانتے اور اس بنیاد پر صفات فعلی کو بھی صفات ازلی اور قدیم قرار دیتے ہیں
ماتریدیہ کی نظر میں صفت تکوین جو حقیقت میں صفات فعلی کا مبداء ہے۔ وہ ان سات مشہور صفات کے علاوہ (حیات، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ، کلام) ہے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ

اگر تکوین ازلی ہے تو مُکَوِّن بھی ازلی ہوگا۔ (۱) تو جواب دیتے ہیں کہ تکوین ازلی الہی ایک مخصوص وقت میں اشیاء کے پیدا ہونے کا سبب ہے لہذا صفت تکوین قدیم ہے لیکن اس کا نتیجہ حادث ہے جس طرح علم و قدرت صفات قدیم ہیں لیکن معلوم و مقدور حادث ہیں۔ (۲)

اس سلسلہ میں ایک دوسری بحث ہوتی ہے جس طرح صفات کے مفاہیم ذات سے الگ ہیں اور مفاہیم آپس میں بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں اگر ایسا ہے تو کیا اسی طرح مصداق اور عینی واقعیت میں بھی ایک دوسرے کے مغایر ہیں یا ان کی حقیقت اور ذات کی حقیقت ایک ہے امامیہ اور معتزلہ صفات زائد بر ذات کی نفی کرتے ہیں اگرچہ اصل اتصاف کو قبول کرتے ہیں۔ اشاعرہ صفات ذاتی کو بھی زائد بر ذات جانتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں تعدد قدماء کے اشکال کا اس طرح جواب دیتے ہیں کہ یہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات (لا ہی ہو و لا ہی غیرہ)

ماتریدی نے کتاب التوحید کی تین فصلوں میں صفات الہی کے بارے میں بحث کی ہے لیکن عینیت یا زیادتی صفات کی بحث نہیں چھیڑی ہے۔

خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ صفات زائد کے اثبات یا انکار میں ماتریدی کا نظریہ واضح نہیں ہے سوائے ایک اشارے کے جیسا کہ کلام الہی کے بارے میں اس نے کہا ہے:

لیس هو الله ولا غيره فيكون وقفاً عن علم وهو حق على ما ثبت في العلم والقدرة. (۳)
 ”کلام نہ خدا ہے اور نہ غیر خدا، یہ توقف علم کی صورت میں ہے اور یہ حق ہے۔ علم و قدرت کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے۔“

بہر حال ماتریدی کے تابعین میں صفات زائد کا قول مشہور ہے جیسا کہ کتاب عقائد نسفیہ میں آیا ہے:

وله صفات ازلیة قائمة بذاته وهی لا هو ولا غیره وهی العلم والقدرة والحياة و... (۱)

”خداوند عالم کے کچھ ازلی صفات ہیں جو نہ خدا ہیں اور نہ غیر خدا ہیں وہ صفات علم قدرت اور

حیات وغیرہ ہیں۔“

۲۔ کلام الہی

ماتریدی بھی اشاعرہ کی طرح کلام الہی کو دو مرتبوں کا حامل قرار دیتے ہیں ایک لفظی اور حادث دوسرا نفسانی اور قدیم۔ البتہ یہ نظریہ واضح طور پر ماتریدی کے اقوال میں موجود نہیں ہے لیکن اسکے تابعین کے یہاں یہ قول رائج ہے۔ ابو معین نسفی نے اپنی کتاب تبصرہ الادلة میں کہا ہے کلام الہی خداوند عالم کی ازلی صفت ہے جو حروف یا آواز نہیں بلکہ ایسی صفت ہے جو اسکی ذات سے قائم ہے اور یہ صفت ہی وہ شئی ہے جسکے ذریعہ سے خداوند عالم کلام اور امر و نہی کرتا ہے اور یہ عبارتیں اس صفت ذاتی پر دلالت کرتی ہیں۔ امام بیاضی نے اپنی کتاب اشارة الکلام میں ماتریدی کی عبارت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے: ویتکلم لا ککلامنا۔

اور یہ قول معتزلہ کی رد میں ہے جو کلام نفسانی کا انکار کرتے ہیں اسی طرح حشویہ کی رد میں بھی ہے جو کلام خدا کو الفاظ میں منحصر جاننے کے باوجود قدیم جانتے ہیں نیز کرامیہ کے عقیدہ کو بھی باطل کرتا ہے جو کلام کو لفظ میں منحصر جاننے کے بعد حادث مانتے ہوئے ذات خدا کے ذریعہ اسکے قیام کی بات کرتے ہیں۔ (۲)

۳۔ رویت خدا

ماتریدی بھی اشاعرہ کی طرح رویت خدا کو ممکن سمجھتے ہیں اس سلسلہ میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

القول فی رویت الرب عزوجل عندنا لازم وحق من غیر ادراک ولا تفسیر۔
 ”خدا کی رویت کا قول بغیر اسکے حقیقت کا ادراک کئے اور بغیر اسکی تفسیر کے جائز ہے۔“

اور جب کیفیت کے بارے میں ان سے سوال ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ رویت خدا بغیر کیفیت کے ہوگی اس لئے کہ کیفیت صورت والی شئی میں ہوتی ہے اور خدا کی رویت ہوگی لیکن بغیر صفت قیام و قعود، اتصال و انفصال، نور و ظلمت وغیرہ جیسی صفات کے۔ (۱) ماتریدی اس سلسلہ میں صرف نقلی دلیل پر اکتفا کرتے ہیں جبکہ اشاعرہ عقلی استدلال بھی پیش کرتے ہیں۔ (۲) امامیہ اور معتزلہ خدا کی بصری رویت کو محال جانتے ہیں اور اس سلسلہ میں متعدد دلیلیں بیان کرتے ہیں ہم صرف ایک دلیل کو ذکر کر رہے ہیں: خدا کی رویت کے سلسلہ میں آیا مرنی کل ہے یا جزء اگر کل ہو تو وجود خدا محدود ہو جائے گا اور اگر جزء ہو تو اسکا مرکب ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں باتیں خدا کے لئے محال ہیں۔

واضح رہے کہ شرح المقاصد کے مولف نے تمام دلیلوں پر اعتراض کیا ہے لیکن اس دلیل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ (۳)

۴۔ خلق اعمال و کسب

معتزلہ انسان کے افعال اختیاری کو انسان کی مخلوق سمجھتے ہیں اور تفویض کے قائل ہیں اور اشاعرہ انسان کے افعال کا خالق بھی خدا ہی کو مانتے ہیں اور جبر سے بچنے کے لئے کسب کا نظریہ پیش کرتے ہیں لیکن شیعہ ائمہ اہل بیت کی ہدایات کی روشنی میں امر بین الامرین کے قائل ہیں ماتریدیوں نے اس سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور ان کی گفتگو کا محور مندرجہ ذیل چار عنوانات ہیں:

(۱) کتاب التوحید، ص ۷۷ و ۸۵۔ (۲) شرح المواقف، ج ۸، ص ۱۲۹۔ (۳) شرح المقاصد، ج ۴، ص ۱۹۶۔

- ۱۔ عقیدہ جبر کو رد کرنا
 - ۲۔ معتزلی نظریہ کو باطل کرنا
 - ۳۔ انسان کے افعال کو خدا کی مخلوق ثابت کرنا
 - ۴۔ انسان کے اپنے افعال کے خود فاعل ہونے کو ثابت کرنا
- وہ عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ انسان اللہ کی مخلوق ہے اور اپنے افعال کا خالق ہے لہذا ان دونوں کے درمیان جمع کے نتیجہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے افعال خدا کی مخلوق ہیں جو خود ان کے ذریعہ کسب ہوتے ہیں۔

ماتریدی نے خلق افعال پر مندرجہ ذیل آیات سے دلیل قائم کی ہے:

﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ، أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (۱)

”تم اپنی باتوں کو آہستہ کہو یا بلند آواز سے خدا تو سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے اور کیا پیدا کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ لطیف بھی ہے اور خبیر بھی۔“

اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا انسانوں کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے اس لئے کہ وہ ان کا خالق ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (۲)

”وہ خدا ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں سیر کراتا ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ بروبحر میں انسانوں کی رفتار و گفتار کا خالق خداوند عالم ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (۳)

یعنی راتوں میں انسانوں کا سونا اور دن میں طلب رزق کرنا خدا کی نشانیاں ہیں اور ان چیزوں

کامیابی کمال الہی کی نشانی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں کے افعال خدا کی مخلوق ہیں۔
اسی طرح اس نے انسان کے اپنے افعال کے فاعل ہونے پر مندرجہ ذیل آیات سے دلیل قائم کی ہے:

﴿وَأَفْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ (۱) ”نیک کام کرو۔“

﴿اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ﴾ (۲) ”جو چاہو کرو۔“

﴿يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ﴾ (۳) ”خدا ان سب کے اعمال کو اسی طرح حسرت بنا کر پیش کرے گا۔“

﴿جَزَاءٌ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۴) ”یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔“

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (۵) ”جو ایک ذرہ بھی عمل کرے گا۔“

اسکے علاوہ بہت سی دوسری آیات ہیں جو خود انسان کے اپنے افعال کا فاعل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ (۶)

مزید یہ کہ خداوند عالم کے اوامر اور نواہی خود اس دعویٰ کی بہترین دلیل ہیں اس لئے کہ اگر انسان فاعل نہ ہو تو اس کو امر یا نہی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اسی طرح جزا و سزا بھی انسان کے فاعل ہونے پر دلالت کرتی ہے البتہ ان افعال کی نسبت خدا کی طرف اس وجہ سے ہے کہ خدا کی مخلوق ہیں اور انسان کی طرف اس وجہ سے ہے کہ انسان فاعل اور کاسب ہے۔

ماتریدی نظریات میں کسب کی وضاحت نہیں کی گئی ہے لیکن ان کے ذریعہ انسان کو اپنے افعال کا فاعل حقیقی قرار دینے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ فعل کے انجام پانے میں انسانی قدرت کے اثر انداز ہونے کے قائل ہیں ورنہ فعل کی نسبت ان کی طرف مجازی ہوتی اور اس طرح ایک فعل میں دو قدرتیں کار فرماں

(۱) سورۃ حج، آیت ۷۷۔

(۲) سورۃ فصلت، آیت ۴۰۔

(۳) سورۃ بقرہ، آیت ۱۶۷۔

(۴) سورۃ واقعہ، آیت ۲۴۔

(۵) سورۃ زلزلہ، آیت ۷۔

(۶) کتاب التوحید، ص ۲۲۵ و ۲۵۶۔

نظر آتی ہیں ایک خدا کی قدرت جو اصل خالق ہے اور دوسری انسان کی قدرت جو اس کا فاعل اور کاسب ہے اس طرح ایک اشکال پیش آتا ہے کہ فعل ایک ہوا اور فاعل دو جس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو قدرتیں ایک دوسرے کے عرض میں نہیں ہیں بلکہ طول میں ہیں قدرت خدا کامل اور مستقل ہے اور قدرت انسان ناقص اور غیر مستقل اور یہ وہی ائمہ اہل بیت کا بتایا ہوا طریقہ امر بین الامرین ہے جس کو اشارة المرام میں بیاضی نے قبول کیا ہے اور امام محمد باقرؑ کے اس قول ﴿لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین﴾ کے تذکرہ کہ افعال حقیقت میں انسان کے اپنے ہیں اور ان کا خالق خدا ہے میں ابوحنیفہ کا کلام ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے: کسبہم علی الحقیقة واللہ خالقہا۔ ابوحنیفہ کا یہ قول بھی اسی نظریہ کو بیان کرتا ہے۔ (۱)

امام بزودی نے بھی کتاب اصول الدین میں اسی نظریہ کی تائید کی ہے اور اس نظریہ کو جبریہ، جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ سب کی مخالفت شمار کیا۔ (۲)

ماتریدی کا نظریہ خلق افعال میں امامیہ کے نظریہ امر بین الامرین سے ہماہنگ ہے۔

(۱) بحوث فی الملل والنحل، ج ۳، ص ۴۸.

(۲) بحوث فی الملل والنحل، ج ۳، ص ۴۸؛ اصول دین، ص ۴۹، ۵۰، ۵۱.

سوالات

- ۱۔ خداوند عالم کے صفات ازلی اور فعلی کے بارے میں عدلیہ ماتریدیہ اور اشاعرہ کا نظریہ تحریر کریں۔
- ۲۔ صفات کے عین ذات یا زائد بر ذات ہونے کے بارے میں ماتریدی نظریہ تحریر کریں۔
- ۳۔ کلام الہی کے بارے میں ماتریدی نظریہ تحریر کریں۔
- ۴۔ رویت الہی کے بارے میں ماتریدی نظریہ تحریر کریں اور اس پر تنقید کریں۔
- ۵۔ مذہب ماتریدیہ میں نظریہ کسب کی تفسیر بیان کریں۔

تین تیسواں سبق:

ماتریدی کے کلامی عقائد

گذشتہ درس میں علم کلام کے بعض اہم مسائل میں ماتریدی کے بعض نظریات کا تذکرہ ہوا اور اس درس میں پہلے ماتریدی کے تین مشہور کلامی نظریات کے بارے میں بحث کریں گے۔ اسکے بعد اس سوال پر بحث کریں گے کہ ماتریدی کو اشعری جیسی شہرت کیوں حاصل نہیں ہوئی؟

۱۔ حقیقت ایمان

اس سلسلہ میں مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ کرامیہ، شہادتین کے اقرار کو ایمان کہتے ہیں جہم بن صفوان اور ابوالحسن اشعری نے بھی اپنی طرف منسوب دو اقوال میں سے ایک قول میں اور بعض امامیہ نے معرفت خدا کو ایمان جانا ہے قدماء معتزلہ احکام الہی پر عمل کو بھی ایمان کا رکن سمجھتے ہیں۔ اہل حدیث اعتقاد قلبی، اقرار زبانی اور اعمال کے مجموعہ کو ایمان جانتے ہیں۔ محقق طوسی اور علامہ حلی نے تصدیق قلبی اور اقرار زبانی سے ایمان کی تفسیر کی ہے اور بہت سے شیعہ اور اشعری متکلمین نے ایمان کو صرف تصدیق قلبی قرار دیا ہے (۱) ماتریدی نے بھی اس کو قبول کیا ہے اور اسکے لئے عقلی و نقلی استدلال پیش کئے ہیں۔ (۲)

۲۔ گناہان کبیرہ انجام دینے والوں کا حکم

ماتریدی نے اس مسئلہ میں پہلے اسلامی فرقوں کے اختلافات کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً کہا ہے کہ ایک گروہ (خوارج) ان کو کافر و مشرک سمجھتا ہے اور دوسرا (حسن بصری اور ان کے تابعین) منافق کچھ لوگوں (امامیہ، مرجئہ اور اشاعرہ) کا کہنا ہے کہ وہ لوگ مومن لیکن فاسق ہیں۔ جبکہ کچھ (معتزلہ) کہتے ہیں کہ ان کو مومن کا نام دینا مناسب نہیں ہے البتہ کافر بھی نہیں کہا جاسکتا۔ خود ماتریدی کا نظریہ اس کے ایمان کی تفسیر کے مطابق ہے یعنی چونکہ ماتریدی کے یہاں ایمان میں اعمال کی شرط نہیں ہے لہذا گناہ کبیرہ انجام دینے والے کو مومن کہا جاسکتا ہے لیکن جو اعمال کے سلسلہ میں گناہ گار ہو اور اگر توبہ نہ کرے وہ آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں۔

۳۔ متشابہات میں تفویض

متشابہات کے سلسلہ میں ماتریدی تفویض کی روش پر عمل کرتے ہیں یعنی متشابہات کے معنی پر یقین رکھتے ہیں اسکے ظاہری مدلول پر توجہ نہیں کرتے جیسا کہ تشبیہ کا رجحان رکھنے والوں کا عقیدہ ہے اور اسی طرح آیات کی تفسیر و تاویل بھی نہیں کرتے جیسا کہ معتزلہ کا طریقہ ہے مثلاً آیہ: ﴿الرَّحْمَانُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ (۱) کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ خدا نے فرمایا ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (۲) یعنی اس نے اپنے سے ہر چیز کی تشبیہ کی نفی کی ہے۔ لہذا اس آیت کی تفسیر میں ہمارے اوپر ضروری ہے کہ جیسا قرآن میں آیا ہے اس پر عقیدہ رکھیں اور اسکی تاویل نہ کریں۔ اس لئے کہ شاید کوئی دوسری چیز مراد لی گئی ہو اور یہ عقیدہ اس جیسی تمام متشابہ آیات میں ضروری ہے یعنی تشبیہ کی نفی کرنے کے بعد کسی خاص معنی کی طرف نسبت دیئے بغیر اس بات پر ایمان رکھنا کہ اس لفظ سے جو

مقصود پروردگار ہے وہی ہمارا عقیدہ ہے۔ (۱)

اس طرح ماتریدی اشاعرہ کے ہم عقیدہ نظر آتے ہیں جیسا کہ اشاعرہ کا عقیدہ ہے کہ: (۲) وجہ رب سے مراد یہ ہے کہ خدا کا وجہ بغیر کیفیت کے ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (۳)

اسی طرح خدا کا ہاتھ ہے لیکن بغیر کیفیت کے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿خَلَقْتَ بِيدِي﴾ (۴) بغیر کیفیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجہ اورید کی خصوصیت سے ہم آگاہ نہیں ہیں اور انسان کے وجہ اورید کی خصوصیت کو اسکی طرف نسبت دینا صحیح نہیں ہے البتہ یہ اس کی تاویل بھی نہیں کرتے اسی کا نام تفویض ہے اس کے باوجود ان دونوں مذاہب کے ماننے والوں میں تفویض کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ تاویل کے قائل ہیں جیسے يد سے مراد قدرت ہے اور وجہ سے مراد ذات وغیرہ ہے اور تمام صفات خبریہ اور مشابہات کے سلسلہ میں ان لوگوں کا یہی عقیدہ ہے مثلاً انھوں نے استواء سے مراد غلبہ اور تسلط کو لیا ہے۔

صاحب مواقف نے کہا ہے کہ: اکثر اصحاب نے استواء کی تفسیر استیلاء، غلبہ اور تسلط سے کی ہے جبکہ شیخ اشعری نے اپنے دو قولوں میں سے ایک قول میں استواء کو ایک الگ صفت قرار دیا ہے۔ لیکن اس پر دلیل قائم نہیں ہو سکی اور اسکو ثابت کرنے کے لئے ظواہر پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ استیلاء کا استعمال اس سے مانع ہے۔ اسی طرح وجہ کو بھی الگ صفت تسلیم کیا ہے جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ استواء استیلاء کے ہی معنی میں ہے اور وجہ لغت میں ایک مخصوص عضو میں استعمال ہوتا ہے جو پروردگار کے لئے صحیح نہیں ہے لہذا اس کے معنای مجازی یعنی صفات ذاتی ہی کو مراد لینا پڑے گا۔

کیوں ماتریدی کو اشعری جیسی شہرت نہیں ملی؟

(۲) الابانۃ، ص ۱۸

(۱) کتاب التوحید، ص ۷۴

(۴) سورۃ ص، آیت ۷۵

(۳) سورۃ رحمن، آیت ۲۷

علمی مراتب میں اشعری سے کم نہ ہونے کے باوجود ماتریدی کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی جو اشعری کو ملی؟ اسکے بہت سے اسباب ہیں:

۱۔ اشعری نے بغداد میں معتزلہ کی مخالفت شروع کی جو ان کا مرکز تھا لہذا ان کو زیادہ شہرت ملی جبکہ ماتریدی وہاں سے میلوں دور تھا۔

۲۔ ماتریدی اپنے کو صرف حنفی مذہب کا تابع قرار دیتا تھا جبکہ اشعری شافعی مذہب کے تابع ہونے کے باوجود اس پر مصر نہیں تھا بلکہ تمام اہل سنت کو حق سمجھتا تھا۔

۳۔ ماتریدی کی روش زیادہ عقلی تھی لہذا اہل حدیث اور تمام اہل سنت کی توجہ کا مرکز نہ بن سکی۔

سوالات

۱۔ حقیقت ایمان کے بارے میں ماتریدی نظریہ دوسرے مذاہب کے نظریات کے ساتھ تحریر کریں۔

۲۔ مرتکبان کبار کے بارے میں ماتریدی نظریہ تحریر کریں۔

۳۔ صفات خبریہ کے بارے میں ماتریدی روش کو تحریر کریں۔

۴۔ صفات خبریہ کے بارے میں ماتریدی نظریہ تحریر کریں۔

۵۔ صفات خدا کے بارے میں متشابہ آیات میں صاحب مواقف کا کلام تحریر کریں۔

چوتھیاں سبق:

مشہور ماتریدی متکلمین

اس درس میں پہلے چند مشہور ماتریدی متکلمین کے بارے میں بیان کریں گے اس کے بعد مذہب طحاویہ پر مختصر نظر ڈالیں گے۔

۱۔ ابوالیسر محمد بزودی (۲۳۱ھ سے ۲۹۳ھ تک) اصول الدین نامی کتاب کے مولف تھے۔ جو ۱۳۸۳ھ میں مصر میں شائع ہوئی۔

جس کے مقدمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک محقق اور جستجوگر طبیعت کے مالک تھے معتزلہ اشاعرہ اور فلاسفہ کے نظریات سے واقف تھے اصول الدین کے علاوہ کچھ دوسری کتابیں بھی تالیف کی ہیں

جیسے: ۱. تعلیقة علی کتاب الجامع الصغیر ۲. الوقعات ۳. المسبوط فی بعض الفروع (۱)

۲۔ میمون بن محمد نسفی (۲۱۸ھ سے ۵۰۸ھ تک) ان کی کنیت ابوالمعین تھی اور ان کی اہمیت ماتریدیوں میں وہی ہے جو اشاعرہ میں باقلانی کی ہے۔ علم کلام میں ان کی کتاب تبصرة الادلة ماتریدی کی کتاب التوحید کے بعد دوسرا علمی ماخذ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اہل سنت کے مدارس میں رائج ابو حفص کی کتاب العقائد النسفیہ، تبصرة الادلة کی فہرست کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ (۲)

(۱) بحوث فی الملل والنحل، ج ۳، ص ۵۶۔ (۲) کشف الظنون، حاجی خلیفہ، ج ۱، ص ۳۳۷۔

۳۔ عمر بن محمد نسفی (۴۶۰ھ سے ۵۳۷ھ تک) ان کی کنیت ابو حفص، لقب نجم الدین ہے۔ علم کلام میں ان کی کتاب العقائد النسفیہ ہے جو اہل سنت کے مدارس میں نصاب کے طور پر رائج ہے اسکی بہت سی شرحیں اور حواشی ہیں جن میں، سعد الدین تفتازانی کی شرح زیادہ مشہور ہے۔ اسکے علاوہ سمرقند کی تاریخ کے بارے میں ایک اور کتاب لکھی ہے جس کا خطی نسخہ روس کے کتابخانہ میں موجود ہیں۔ عبدالحکیم تاجر نے قند یہ نام سے اس کا خلاصہ کیا ہے۔

۴۔ علامہ ابن ابی العز حنفی (۷۳۱ھ سے ۷۹۲ھ تک) کتاب العقیدۃ الطحاویۃ کے شارح ہیں اور یہ شرح اہل سنت خصوصاً حنفیوں کے اہم مصادر میں شمار ہوتی ہے۔

۵۔ محمد بن عبدالواحد (۷۹۷ھ سے ۸۱۶ھ تک) ان کی کنیت ابن الہمام، لقب کمال الدین ہے۔ کلام وفقہ میں بہت سی کتابیں تحریر کیں ہیں جن میں سے المسایرة فی العقاید المنجیۃ فی الآخرة یہ کتاب علم کلام میں ہے۔ محمد محی الدین عبدالحمید نے اسکی شرح کی ہے جو مصر میں چھپی ہے۔ ان کی دوسری کتابیں فقہ حنفی میں فتح القدیر (۸ جلد) اور اصول فقہ میں التحریر وغیرہ ہیں۔

۶۔ کمال الدین بیاضی گیارہویں صدی کے متکلمین میں سے ہیں اشارات المرام من عبارات الامام نامی کتاب کے مولف ہیں جو ماتریدیوں کا تیسرا اہم مآخذ شمار ہوتی ہے۔

۷۔ علی بن سلطان محمد معروفی مکی معروف بہ ملا علی قاری، ابو حنیفہ کی کتاب فقہ اکبر کے شارح ہیں۔ ان کی کتاب بھی ماتریدیہ کے کلامی مصادر میں شمار ہوتی ہے یہ پہلی بار دہلی میں مطبع مجتبیٰ دہلوی میں طبع ہوئی۔

۸۔ حافظ محمد عبدالعزیز فرہادی (متوفی ۱۲۳۹ھ) النبراس نامی کتاب کے مولف ہیں۔ یہ العقائد النسفیہ کی شرح کی شرح ہے۔ یہ پہلی بار ۱۳۱۸ھ میں پاکستان میں شائع ہوئی ہے۔

۹۔ حسین بن محمد طرابلسی (متوفی ۱۳۲۷ھ) الحصون الحمیدیۃ للمحافظة علی العقائد

الاسلامیہ نامی کتاب کے مولف ہیں۔ یہ کتاب بلوچستان کے مدارس میں رائج ہے۔

۱۰۔ شیخ محمد زاہد کوثری مصری یہ چودھویں صدی کے ماتریدی متکلمین میں سے ہیں اور اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت نیز وہابیوں کی مخالفت میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور اپنی تحقیقات میں عقل کو اہمیت دی ہے اور اہل سنت کی احادیث کے سلسلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے اسی لئے اہل حدیث کی ناراضگی کا شکار رہے ہیں۔

مذہب طحاویہ پر ایک نظر

جیسا کہ ذکر ہو چکا اہل سنت کے عقائد میں اصلاح کی تحریک تین افراد کے ذریعہ شروع ہوئی جن میں ایک احمد بن محمد بن سلامۃ الازدی الحجری ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) علم حدیث فقہ سے دلچسپی رکھتے تھے اپنے زمانہ کے بزرگ فقہاء و محدثین میں سے تھے شروع میں ابو حنیفہ کے تابع تھے لیکن بعد میں شافعی کی انتقادی روش کی بنیاد پر ان کی طرف مائل ہو گئے۔ (۱)

ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: ۱۔ شرح معانی الآثار، ۲۔ شرح مشکل احادیث رسول اللہ ﷺ، ۳۔ احکام القرآن، ۴۔ اختلاف الفقہاء، ۵۔ النوادر الفقہیہ، ۶۔ الشروط الکبیر، ۷۔ الشروط الاوسط، ۸۔ شرح الجامع الصغیر، ۹۔ شرح الجامع الکبیر، ۱۰۔ المختصر الصغیر، ۱۱۔ المختصر الکبیر، ۱۲۔ مناقب ابی حنیفہ، ۱۳۔ تاریخ الکبیر، ۱۴۔ الرد علی کتاب المدلسین، ۱۵۔ کتاب الفرائض، ۱۶۔ کتاب الوصایا، ۱۷۔ حکم اراضی مکہ، ۱۸۔ کتاب العقیدہ۔ (۲)

طحاوی نے علم کلام میں تین رسالہ لکھے ہیں جو بیان السنۃ والجماعۃ کے نام سے جانے جاتے ہیں انہوں نے ان کے شروع میں لکھا ہے کہ اس رسالہ میں اہل سنت کے عقائد ابو حنیفہ، ابو یوسف اور

محمد شبانی کے نظریات کے مطابق ہیں۔ طحاوی اور ماتریدی کے درمیان اختلافات کی وجہ واضح ہے اس لئے کہ طحاوی ایمان کے سلسلہ میں عقلی اور فکری بحث و گفتگو کا قائل نہیں تھا لہذا خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم کلام میں طحاوی نے کوئی نیا مذہب قائم نہیں کیا بلکہ امانت داری کے ساتھ اپنے استاد کے نظریات کی تلخیص کی ہے لہذا طحاوی نئے مذہب کا بانی نہ ہو کر صرف ابوحنیفہ کے نظریات کو شفاف صورت میں بیان کرنے والا قرار پایا علم کلام میں اس کی اہمیت کو العقائد النسفیہ پر متعدد تقریظات سے سمجھا جاسکتا ہے۔ (۱)

سوالات

- ۱۔ ابوالیسر بزودی کون تھے؟ ان کے علمی آثار ذکر کریں۔
- ۲۔ ابو معین نسفی کون تھے؟ ان کے کلامی آثار تحریر کریں۔
- ۳۔ ابو حفص نسفی کون تھے؟ ان کی کلامی کتاب کا نام کیا تھا اور اس کی کیا اہمیت ہے۔
- ۴۔ ابن الہمام کون تھے؟ ان کی کتابوں کے نام لکھیں۔
- ۵۔ اشارات المرام کے مؤلف کون ہیں؟ ماتریدی مذہب میں ان کی کیا اہمیت ہے؟
- ۶۔ النبراس، شرح فقہ اکبر، شرح العقیدۃ الطحاویہ والحصون الحمیدیہ کے مؤلف کا نام لکھیں اور ماتریدیوں میں ان کتابوں کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔
- ۷۔ شیخ محمد زاہد کوثری کون ہیں؟ ان کے ساتھ وہابیوں کے برتاؤ کو بیان کریں۔
- ۸۔ مذہب طحاویہ پر مختصر روشنی ڈالیں۔

چوتھی فصل

بعض دوسرے اسلامی فرقے

پینتیسواں سبق:

فرقہ قدریہ

موضوع بحث، عقیدہ اور مقصد

اس فرقہ کی بحث کا محور انسان کے افعال اختیاری ہیں خصوصاً انسان کے افعال ان کی نظر میں قدر الہی کا نظریہ انسان کے مختار اور صاحب ارادہ ہونے سے مطابقت نہیں رکھتا ہے یعنی اگر خداوند عالم انسانوں کے اختیاری افعال پہلے سے مقدر کر دے تو پھر ان کے انجام دینے پر جزایا سزا مناسب نہ ہوگی اور اس صورت میں انسانوں کے افعال کی ذمہ داری خداوند عالم پر عائد ہوگی جو اسکے منزہ ہونے کے منافی ہے۔ اس بیان سے تین باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

الف: قدریہ کی بحث انسان کے افعال اختیاری اور قدر الہی کے بارے میں ہے۔

ب: ان کا عقیدہ ہے کہ انسان کے افعال اختیاری قدر الہی کے دائرے سے باہر ہیں۔

ج: ان کا مقصد انسان کے اختیار اور عدل الہی کا دفاع کرنا ہے۔

قدریہ کی ابتدا اور ان کے رہبر

یہ ایک قدیم ترین اسلامی فرقہ ہے ان کے وجود میں آنے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہے لیکن اتنا مسلم ہے کہ یہ لوگ پہلی صدی کے دوسرے نصف حصہ میں پہچانے گئے۔ ملل و نحل کے مؤلفین نے

معبد جہنی کو اس فرقہ کا سب سے پہلا فعال رہبر قرار دیا ہے۔

اسکی تاریخ وفات ۸۰ھ ہے جو عبد الملک ابن مروان یا حجاج کے حکم سے قتل کیا گیا۔ ان کا دوسرا رہبر غیلان دمشقی ہے جو ۱۱۲ھ میں ہشام بن عبد الملک کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور تیسرا رہبر جعد بن درہم ہے جو ۱۲۴ھ میں خالد بن عبد اللہ قسری کے ہاتھوں قتل ہوا۔

اس سلسلہ میں بغدادی نے لکھا ہے:

ثم حدث في زمان المتأخرين من الصحابة خلاف القدرية في القدر والاستطاعة من معبد الجهنى وغيلان الدمشقى والجعد بن درهم... (۱)

”صحابہ کے آخری دور میں معبد جہنی، غیلان دمشقی اور جعد بن درہم وغیرہ کے ذریعہ قدر الہی اور استطاعت انسان کے بارے میں قدریہ کا اختلاف ظاہر ہوا۔“

شہرستانی نے بھی اس فرقہ کی ابتدا صحابہ کے آخری دور میں قرار دی ہے اور اس فرقہ کے بانی معبد جہنی وغیلان دمشقی اور یونس اسواری کو قرار دیا ہے۔ (۲)

احتجاج طبری کے مطابق حسن بصری بھی اس فکر کے حاملوں میں سے تھے اس لئے کہ روایت میں ہے کہ حسن بصری امام محمد باقرؑ سے ملاقات کے لئے آئے تو امامؑ نے ان سے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ خدا نے بندوں کے افعال ان کے حوالہ کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد امامؑ نے حسن بصری کو اس عقیدہ سے منع کیا اور فرمایا: ﴿إياك ان تقول بالتفويض...﴾ (۳) حسن بصری نے خاموش رہ کر گویا اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ اس عقیدہ کو مانتے تھے۔ سید مرتضیٰ نے بھی حسن بصری کا یہ قول نقل کیا ہے: کل شیء بقضاء الله وقدره الا المعاصی. (۴)

”گناہ کے علاوہ ہر چیز قضا و قدر الہی کے مطابق ہے۔“

(۲) الملل والنحل، ج ۱، ص ۳۰.

(۱) الفرق بین الفرق، ص ۱۸ و ۱۹.

(۳) امالی السید المرتضیٰ، ج ۱، ص ۱۰۶.

(۴) الاحتجاج، ص ۳۲۶.

قدریہ اور بنی امیہ

بنی امیہ ہمیشہ سے اس فرقہ کے شدید مخالف رہے اس لئے کہ انسانی افعال کو قضاء و قدر الہی کے دائرے میں لے جا کر اس کے مجبور ہونے پر تاکید کرتے تھے۔ معاویہ بن ابی سفیان نے ڈرا دھمکا کر یزید کی بیعت لی اور جب عائشہ نے مخالفت کی تو اس نے کہا: اِنَّ امر یزید قضاء من القضاء۔ (۱)

”یزید کی حکومت قضائے الہی ہے۔“

اسی طرح دوسرے اموی حکام میں بھی اس عقیدہ کی شدید مخالفت قائم رہی۔ (۲)

قدریہ کیا صحیح اور کیا غلط؟

عقیدہ جبر کی مخالفت، اختیار انسان اور عدل الہی کی حمایت میں قدریہ حق بجانب تھے لیکن جو روش انھوں نے اختیار کی تھی وہ غلط تھی یعنی ان کا انسان کے افعال میں قدر الہی کا بالکل سے انکار کرنا غلط تھا اس لئے کہ ان کے اس عقیدہ کا لازمہ یہ تھا کہ انسان اپنے اختیاری افعال میں قدرت الہی سے بے نیاز اور مستقل ہے جو تو حید و خالقیت اور ربوبیت کے منافی ہے۔ ائمہ اہل بیتؑ نے اس عقیدہ کو ناپسند کیا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں روایات اس طرح ہیں:

۱۔ شیخ صدوق نے ثواب الاعمال میں مولائے کائناتؑ سے روایت کی ہے:

﴿لکل امة مجوس و مجوس هذه الامة الذين يقولون لا قدر﴾ (۳)

”ہر امت میں کوئی نہ کوئی مجوسی ہوتا اور اس امت کے مجوسی وہ ہیں جو قضاء و قدر کے منکر ہیں۔“

۲۔ امام محمد باقرؑ نے حسن بصری سے فرمایا:

(۱) الامامۃ والسیاسة، ج ۱، ص ۵۸ و ۱۶۱۔ (۲) المغنی، قاضی عبد الجبار، ج ۸، ص ۴۔

(۳) بحار الانوار، ج ۵، ص ۱۲۰، روایت ۵۸۔

﴿ایاک ان تقول بالتفویض فان الله عزوجل لم یفوض الامرالی خلقه وهناً منه وضعفاً...﴾ (۱)

”تفویض سے بچو۔ خداوند عالم اپنے امورمخلوق کے حوالہ نہیں کرتا اس سے اسکی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔“

۳۔ امام رضاؑ سے روایت ہے:

﴿مساکین القدریۃ ارادوا ان یصفوا الله عزوجل بعدله فاخرجوه من قدرته وسلطانہ﴾ (۲)

اس بحث کے آخر میں چند نکات کا تذکرہ ضروری ہے:

۱۔ مکتب اہل بیتؑ میں جبر و تفویض دونوں غلط ہیں اور صحیح عقیدہ اختیار کا ہے جسکی تفسیر امر بین الامرین سے کی گئی ہے۔

۲۔ اہل بیتؑ کی نظر میں خداوند عالم کی قدرت اور اسکی خالقیت کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ انسان کے برے افعال بھی اسکی طرف منسوب ہو جائیں اس لئے کہ قدر اور مشیت تکوینی اور تشریحی میں فرق ہے۔

۳۔ مکتب اہل بیتؑ میں قدریہ کو بھی مجوس سے تشبیہ دی گئی ہے اور جبر کا عقیدہ رکھنے والوں کو بھی۔

۴۔ قدریہ بنی امیہ سے مخاصمانہ روش کی بناء پر باقی نہ رہ سکے لیکن قدر کے بارے میں ان کا عقیدہ معتزلہ کے ذریعہ باقی رہا۔

سوالات

- ۱۔ قدریہ کا عقیدہ اور ان کا مقصد بیان کریں۔
- ۲۔ قدریہ کی ابتدا کب سے ہوئی اور اسکے رہبر کون تھے؟
- ۳۔ قدریہ اور بنی امیہ میں کیسے روابط تھے؟
- ۴۔ قدریہ فرقہ میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟
- ۵۔ جبر و اختیار اور تفویض کے بارے میں اہل بیتؑ کا موقف بیان کیجئے۔

چھتیسواں سبق:

معتزلی مذہب کی ابتدا اور اس کا بانی

یہ مذہب دوسری صدی کے آغاز میں واصل بن عطا کے ذریعہ قائم ہوا۔ اس زمانہ میں گناہ کا ارتکاب اور اسکے دنیوی و اخروی عذاب کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ خوارج گنہگار کو کافر و مشرک سمجھتے تھے جبکہ اکثر مسلمان کو گنہگار مومن کو فاسق سمجھتے تھے۔ حسن بصری ایسے شخص کو منافق تصور کرتا تھا۔ ایسے حالات میں واصل بن عطاء جو حسن بصری کا شاگرد تھا اپنے استاد کے راستہ سے ہٹ گیا اور ایک نئے نظریہ کی بنیاد رکھی۔ اسکا کہنا تھا ایمان مدح کا نام ہے اور فسق مذمت کا۔ لہذا فاسق کو مومن نہیں کہا جاسکتا لیکن چونکہ وہ توحید پروردگار کا قائل ہے لہذا کافر بھی نہیں کہہ سکتے اگرچہ میدان محشر میں افراد کو صرف دو گروہوں میں ہی تقسیم کیا جائے گا لہذا اگر یہ لوگ بغیر توبہ کے دنیا سے چلے جائیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ اس نظریہ کو منزلة بین المنزلتین کے نام سے بھی شہرت حاصل ہے۔ (۱)

معتزلہ کی وجہ تسمیہ

اس گروہ کو حسن بصری کے درس سے الگ ہو جانے کی بناء پر معتزلہ کا نام دیا گیا اگرچہ اس سلسلہ میں بعض دوسری وجوہات بھی ذکر کی جاتی ہیں جن کا تذکرہ بے فائدہ ہے۔ (۲)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ شیخ مفیدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ نام اس سے پہلے کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوا جبکہ تیسری صدی کے شیعہ عالم حسن بن نوہختی نے صراحت کی ہے کہ سب سے پہلے یہ لقب ان لوگوں کو دیا گیا جنہوں نے قتل عثمان کے بعد مولائے کائنات کی بیعت تو کی لیکن جنگوں میں آپ کا ساتھ نہیں دیا ان دونوں اقوال کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ شیخ مفیدؒ کی مراد اعتزال کلامی ہے اور حسن بن نوہختی کی مراد اعتزال سیاسی۔ واصل بن عطاء دونوں طرح کے اعتزال کا قائل تھا۔

معتزلہ کی فکری روش

معتزلہ آیات قرآن کی تفسیر میں عقل سے استفادہ کے قائل ہیں اور اس طرح اگر عقلی استدلالات ظواہر دینی کے مخالف ہوں تو ظواہر کی تاویل کرتے ہیں۔ اسلامی فلاسفہ نے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے لیکن معتزلہ جدلی روش سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور فلاسفہ برہانی طرز تفکر سے۔ اس سلسلہ میں علامہ اقبال لاہوری احمد امین مصری اور محقق لاہنجی نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں:

”دوسری صدی کی ابتدا میں حسن بصری کے شاگرد واصل بن عطاء نے مکتب معتزلہ کی بنیاد ڈالی جو عقل گرائی پر مبنی تھا معتزلی علماء نے جدل اور مناظرہ کے ذریعہ توحید کو ثابت کیا اور یہ دوسرے ظاہر پرست مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا ایک امتیاز تھا“ (۱)

احمد امین مصری کا بیان ہے:

”انہوں نے دوسرے مسلمانوں کی طرح متشابہات کے سلسلہ میں صرف اجمالی ایمان پر اکتفا نہیں کی اور ایک موضوع کی آیات جو بظاہر ایک دوسرے سے مختلف نظر آتی تھیں ان کو جمع کرنے

کی کوشش کی جیسے آیات جبر و اختیار، آیات تجسیم و تنزیہ۔ ان لوگوں نے عقل کو حاکم قرار دیا جس کے نتیجے میں ہر مسئلہ میں اہل نظر قرار پائے۔ اس کے بعد اپنے نظریہ کی مخالف آیات کی تاویل کر لی غرض کہ تاویل کو معتزلی علماء کا سب سے نمایاں کارنامہ بلکہ سلف کے مقابلہ میں ان کے لئے وجہ امتیاز قرار دیا جاسکتا ہے ان کے عقل کی طرف مائل ہونے پر موثر چیزوں میں سے ایک اہم چیز اہل کتاب اور یہودیوں سے ان کے مناظرے تھے جن میں کتاب و سنت سے بحث نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ ایسی باتیں بیان ہونا چاہئے تھیں جن کو تمام لوگوں کی عقلیں تسلیم کرتی ہوں اسی لئے ان لوگوں نے فلسفی روش (عقلی طرز تفکر) کو اپنایا: (۱) محقق لاہیجی کہتے ہیں: ”اس جماعت نے عقلی نظریات کو معیار بنایا اور اس کے خلاف آیات و احادیث کی عقلی قوانین کے ذریعہ تاویل کی“ (۲)

جس سے اتنا بہر حال طے ہو جاتا ہے کہ معتزلہ کا فکری طریقہ کار عقل گرانی اور تاویل تھا۔

بصرہ اور بغداد کے معتزلہ

بصرہ کے متکلمین حقیقت میں مکتب اعتزال کے بانی تصور کئے جاتے ہیں جن میں سرفہرست واصل بن عطا (متوفی ۱۳۱ھ) عمر بن عبید (متوفی ۱۴۳ھ)، ابوالہذیل علاف (متوفی ۲۳۵ھ) اور ابراہیم بن نظام (متوفی ۲۳۱ھ) وغیرہ تھے۔

اسکے علاوہ دوسری صدی کے آخر میں بغداد میں بھی اسی کی ایک فرع کا ظہور ہوا جس کا بانی بشر بن معتمر متوفی (۲۱۰ھ) ہے کے علاوہ ثمامہ بن اشرس۔ جعفر بن مبشر وغیرہ کو بغداد کے مشہور معتزلیوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ (۳)

بصرہ اور بغداد دونوں کے معتزلہ اپنے اصول اور روش میں ایک دوسرے کے ساتھ موافقت رکھتے تھے۔

(۱) ضحی الاسلام، ج ۳، ص ۱۵ و ۱۷۔ (۲) گوھر مراد، وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی، ص ۴۶۔

(۳) بحوث فی الملل والنحل، ج ۳، ص ۲۵۰ و ۲۵۵۔

اگرچہ جزئی مسائل میں کچھ اختلافات تھے بغداد کے معتزلہ عموماً شیعوں کے اصول اعتقادات سے مطابقت رکھتے تھے جسکی بعض مثالیں شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب اوائل المقالات میں پیش کی ہیں۔

سوالات

- ۱۔ معتزلہ کی تاریخ ابتدا تحریر کیجئے اور بتائیے کہ معتزلہ کے بانی کون تھے؟
- ۲۔ معتزلہ کو معتزلہ کیوں کہتے ہیں؟ اور اس اصطلاح کے بارے میں دو نظریہ تحریر کیجئے۔
- ۳۔ معتزلہ کی فکری روش ذکر کیجئے۔
- ۴۔ بصرہ اور بغداد کے معتزلہ سے کیا مراد ہے؟ ان میں کیا فرق ہے؟ دونوں کے تین تین متکلمین کے نام لکھے۔

سینتیواں سبق:

مذہب معتزلہ کے اصول

ابوالحسین خیاط جو معتزلی مذہب کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں ان کا کہنا ہے:

الاعتزال قائم علی اصول خمسة عامة من اعتقد به جميعاً كان معتزلياً و هي التوحيد والعدل والوعد والوعيد والمنزلة بين المنزلتين والامر بالمعروف والنهي عن المنکر. (۱)

”اعتزال پانچ اصول پر قائم ہے جو ان پانچوں کا عقیدہ رکھے اسے معتزلی کہا جائے گا: توحید، عدل، وعد و وعید، المنزلة بين المنزلتين، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔“

قاضی عبدالجبار معتزلی نے انہیں اصول خمسہ کی بنیاد پر شرح الاصول الخمسة نام کی کتاب تالیف کی ہے۔

مذکورہ اصول میں سے شروع کے دو اصول ایمان اور اعتقاد سے مربوط ہیں باقی تین مذہب معتزلہ کی پہچان ہیں۔ (۲)

اصول خمسہ کی مختصر تشریح:

۱۔ اصل توحید

توحید کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

الف۔ توحید ذاتی: خداوند عالم کا کوئی شریک اور مثل نہیں ہے وہ بسیط الذات اور احدی المعنی ہے اور یہ دونوں باتیں امیر المومنین حضرت علیؑ کے کلام میں بیان ہوئی:

﴿هو واحد ليس له في الاشياء شبه وانه عز وجل احد المعنى...﴾ (۱)

ب۔ توحید صفاتی: صفات الہی مفہوم کے اعتبار سے متعدد ہیں لیکن مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں اور ان میں کثرت و تعدد کا گزر نہیں۔

ج۔ توحید افعالی: عالم تخلیق میں تمام افعال خداوند عالم کی قوت و قدرت سے ہیں اور کوئی بھی فاعل مستقل طور پر اس میں اثر انداز نہیں ہے۔

د۔ توحید در عبادت: خدا کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں ہونا چاہیے۔

ان تمام اقسام میں معتزلہ کی نظر میں زیادہ قابل توجہ توحید صفاتی ہے کہ یہ لوگ ہر طرح کی صفت زائد کی نفی کرتے ہیں اور اسکے مخالفین کو صفاتیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں شیخ مفیدؒ نے صفات کے عین ذات ہونے کے سلسلہ میں شیعوں کا نظریہ نقل کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ معتزلہ کا بھی بعینہ یہی عقیدہ ہے سوائے ابو ہاشم جبائی کے، جو نظریہ حال کا قائل ہے۔ اس نظریہ کا مطلب ہے کہ صفات نہ موجود ہیں اور نہ معدوم۔ البتہ اس نظریہ کا صحیح نہ ہونا علم کلام کی کتابوں میں ثابت کیا جا چکا ہے۔

۲۔ اصل عدل

عدل کے صفت فعلی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ عدل کے معنی کیا ہیں اور کیا عدل کا معیار پہلے سے روشن تھا اور اسکے مطابق پروردگار کو عادل کہا گیا یا

پروردگار کے افعال کو عدالت سے تعبیر کیا گیا؟ معتزلی پہلے نظریہ کے طرفدار ہیں اور اشاعرہ دوسرے نظریہ کے۔

۳۔ وعدہ و وعید

قاعدہ لطف کے مصداق میں سے ایک مصداق وعدہ و وعید کا وجوب ہے۔ وعدہ کو وفا کرنا عقل و نقل دونوں کے اعتبار سے واجب ہے اور اسکو تمام قائلین حسن و قبح عقلی قبول کرتے ہیں لیکن معتزلہ کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ وعدہ کی طرح وعید کو وفا کرنا بھی واجب ہے اکثریت کے مقابلہ میں جو لوگ وعید کی وفا کو واجب نہیں جانتے ان کو تفضیلیہ کہا جاتا ہے۔

وعیدیہ کی نظر میں جو بھی بغیر توبہ کے دنیا سے اٹھ جائے وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوگا۔ معتزلہ کی اکثریت کا یہ نظریہ مرجہ کے نظریہ سے بالکل متضاد ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے عفو و بخشش تمام گناہ گاروں کے شامل حال ہوگی۔

۴۔ الممنزلة بین المنزلتین

یہ اصل گناہ کبیرہ کرنے والوں سے مربوط ہے اور اسی کی بنیاد پر مذہب اعتزال وجود میں آیا لہذا اس اصل کو ماننے کی وجہ سے شیخ مفید کی نظر میں کسی کو بھی معتزلہ کہا جاسکتا ہے چاہے وہ دوسرے نظریات میں دوسرے مذاہب کا ماننے والا ہو۔ مرتکبین کبار کے بارے میں دو نظریے ہیں: ایک یہ کہ وہ مومن ہیں یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ آخرت میں ان کا کیا حال ہوگا۔

معتزلہ آخرت میں عذاب الہی کو گناہ گاروں کے لئے حتمی جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے افراد کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کے بھی قائل ہیں۔

۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضروریات دین میں ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ یہ دونوں کیسے اور کن شرائط کے ساتھ واجب ہیں خوارج اس کے وجوب کے لئے کسی

شرط کو ضروری نہیں سمجھتے۔ معتزلہ اس فریضہ دینی کے لئے بہت اہتمام کے قائل ہیں خاص طور پر زنادقہ اور ملحدین کے خلاف۔ شیعہ مذہب میں بھی اس فریضہ کی بڑی اہمیت ہے جیسا کہ شیعوں کی کتابوں میں اس سلسلہ میں تفصیلی مباحث موجود ہیں۔

سوالات

- ۱۔ مذہب معتزلہ کے اصول بیان کریں۔
- ۲۔ توحید کے اقسام بیان کیجئے اور بتائے کہ معتزلہ کی نظر میں کون سی قسم زیادہ اہم ہے؟
- ۳۔ توحید صفاتی کے بارے میں معتزلی عقیدہ تحریر کریں۔
- ۴۔ عدل الہی کے بارے میں معتزلی نظریہ تحریر کریں۔
- ۵۔ وعدہ و وعید کے بارے میں معتزلہ کا کیا نظریہ ہے بیان کریں۔
- ۶۔ معتزلہ کے یہاں منزلہ بین المنزلتین سے مراد کیا ہے؟
- ۷۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں معتزلہ اور دیگر مذاہب کے نظریات تحریر کریں۔

اڑتیسواں سبق:

مذہب معتزلہ میں تاریخی انقلاب

الف۔ بنی امیہ کا دور

عقیدہ جبر کی طرفداری کی وجہ سے بنی امیہ انسان کے صاحب ارادہ اور اختیار ہونے کے شدید مخالف تھے اس بنیاد پر انھوں نے بہت سے قدریہ کو قتل بھی کیا۔ معتزلہ اگرچہ ارادہ کی آزادی کے طرفدار تھے لیکن اس دور میں نرم رویہ اختیار کئے تھے اور اسی بنا پر ان کے نظریات کی ترویج کے لئے بہتر حالات فراہم تھے ہشام بن عبد الملک کی موت کے بعد ان کے اقتدار میں زوال آنا شروع ہو گیا اور ۱۲۵ھ سے ۱۲۷ھ تک تین حکام اقتدار کی کرسی پر قابض ہوئے اور ۱۲۵ھ سے ۱۳۲ھ تک مروان حمار کے زمانہ میں بنی امیہ کے خلاف بغاوت نے زور پکڑ لیا اور آخر کار یہ حکومت عباسیوں کے ذریعہ ختم ہو گئی۔ (۱) ان حالات سے تمام اسلامی متفکرین نے فائدہ اٹھایا چنانچہ معتزلہ نے بھی دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنے نظریات کی نشر و اشاعت کی اس دور میں اس مذہب کا رہبر خود اسکا بانی و اصل بن عطاء تھا جو ۱۳۱ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوا اور پھر اس کے بعد ۱۴۳ھ تک عمرو بن عبید نے معتزلہ کی قیادت کی۔

ب۔ بنی عباس کا دور

اس عہد میں معتزلہ نے چار ادوار کا سامنا کیا:

۱۔ ۱۳۲ھ سے ۱۹۸ھ تک، مامون سے پہلے

۲۔ ۱۹۸ھ سے ۲۳۲ھ تک، مامون سے واثق تک

۳۔ ۲۳۲ھ سے ۳۰۰ھ تک، متوکل اور اسکے بعد کے حکام کا دور

۴۔ اشاعرہ کے ظہور کے بعد

پہلے دور میں سفاح اور منصور کے دور حکومت میں معتزلہ نہ بنی عباس کے دشمن تھے اور نہ دوست۔ کبھی کبھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت ان کے مظالم پر روک ٹوک کرتے تھے لیکن اس کے خلاف قیام کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔

مہدی عباسی کے دور میں معتزلہ کو بہتر حالات مہیا ہو گئے اور ملحدین کے خلاف فعالیت کے لئے حکومت کو متکلمین کا سہارا لینا پڑا۔ لیکن اس دور کے اختتام پر ہارون رشید کے دور میں معتزلہ کی مخالفت ہوئی اور ان کے پسندیدہ موضوع یعنی مناظروں پر پابندی لگا دی گئی اس دور میں فلسفی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا اور علماء معتزلہ فلسفی نظریات سے آگاہ ہوئے۔

معتزلہ کے اقتدار کا دور

دوسرے دور میں معتزلہ کو حکومت کی حمایت حاصل ہو گئی اور ان کے عقائد کو حکومت کے رسمی عقائد میں شامل کر لیا گیا اور ان کو اپنے عقائد کی نشر و اشاعت کی کھلی اجازت مل گئی لہذا ان لوگوں نے اپنے عقیدہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نتیجے میں اپنے مخالفین اہل حدیث اور حنابلہ کے خلاف کھل کر کارروائی کی۔

خلق قرآن کا مسئلہ اس وقت کے اہم ترین اختلافی مسائل میں سے تھا یہاں تک کہ اسکے نتیجے میں قید و قتل جیسی سزائیں بھی ملتی تھیں تاریخ کے اس دور کو مِحَنۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس زمانہ

میں احمد بن ابی داؤد معتزلہ کے اہم ترین متکلمین میں سے تھے جنہوں نے خلق قرآن کے مسئلہ میں احمد بن حنبل سے مناظرہ کیا اور ان پر کامیابی حاصل کی ان کے مناظرہ کی تفصیل اس طرح ہے۔

ابن ابی داؤد: کیا ایسا نہیں کہ ہر چیز قدیم ہے یا حادث؟

ابن حنبل: ہاں ایسا ہی ہے۔

ابن ابی داؤد: کیا قرآن شئی نہیں ہے۔

ابن حنبل: ہاں کیوں نہیں۔

ابن ابی داؤد: کیا صرف خدا قدیم نہیں ہے؟

ابن حنبل: ہاں ایسا ہے۔

ابن ابی داؤد: پس قرآن حادث ہے؟

یہ سن کر ابن حنبل نے کہا: میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ (۱)

معتزلہ کے مصائب کا دور

۲۳۲ھ میں واثق کی موت اور متوکل کے اقتدار حاصل کرنے کے بعد معتزلہ کا ستارہ ڈوبنا شروع ہو گیا۔ اس نے کلامی بحثوں پر پابندی لگا دی معتزلہ کے مخالفین کی حمایت کی اس سلسلہ میں سیوطی کا کہنا ہے کہ: ”واثق کے بعد لوگوں نے متوکل کی بیعت کی۔ اس نے اہل سنت کی مدد سے دورہ محنت کا خاتمہ کیا۔ محدثین کو سامرہ بلایا ان کے ساتھ احترام سے پیش آیا اور ان سے کہا کہ رویت الہی اور اسکے صفات کے بارے میں روایات بیان کریں متوکل نے اپنے اس عمل سے لوگوں کی حمایت حاصل کی“ (۲) خطیب بغدادی کا کہنا ہے کہ: ”اہل حدیث مساجد میں بیٹھ کر معتزلہ کی مخالفت میں احادیث نقل کرتے تھے اور ان کو کافر کہتے تھے اس مسئلہ میں جب احمد بن حنبل سے خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے

والوں کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ کافر ہیں۔ (۱) اس زمانہ میں عقلی رجحان رکھنے والوں کی مخالفت کرنے والوں کو اپنے عقائد کی نشر و اشاعت کا موقع مل گیا اور انھوں نے ہر ممکن طریقہ سے لوگوں کو معتزلی نظریات کے خلاف بھڑکایا۔ البتہ اس زمانہ میں بھی کچھ لوگ معتزلی عقائد کا دفاع کرنے والے تھے جس میں ابو عثمان جاحظ کا نام سرفہرست ہے جس نے فضیلة المعتزلہ نامی کتاب لکھی۔ اسی زمانہ میں احمد بن یحییٰ راوندی نے اس کے جواب میں فضیحة المعتزلہ تحریر کی جس کے بعد ابوالحسن خیاط نے جاحظ کا دفاع کرتے ہوئے الانتصار نامی کتاب لکھی متوکل کے بعد تیسری صدی کے آخر تک معتزلہ بالکل بکھر گئے۔

معتزلہ تیسری صدی کے بعد

چوتھی صدی کے شروع میں ابوالحسن اشعری اپنے استاد ابوعلی جبائی معتزلی سے الگ ہو گئے اور بصرہ کی جامع مسجد میں اس علحدہ گی کا اعلان بھی کر دیا (۲) جس سے معتزلہ کو ایک بڑا جھٹکا لگا انھوں نے معتزلہ ہی کے طریقہ استدلال سے ان کی مخالفت شروع کی جس کے نتیجہ میں ان کو مقبولیت حاصل ہو گئی لیکن پھر بھی معتزلہ بالکل مایوسی کا شکار نہیں ہوئے اور ان میں سے بعض افراد اسی انداز سے اپنے عقائد کا دفاع کرتے رہے جن میں سے بعض اس طرح ہیں:

ابوہاشم معتزلی، ابوالقاسم کعمی، ابوالحسن خیاط، ابو عبد اللہ بصری، ابوبکر احمد بن علی الاشیدی، قاضی عبد الجبار معتزلی، ابوالحسین بصری۔ قاضی عبد الجبار نے بعض اہم علمی آثار بھی یادگار چھوڑے ہیں جن میں شرح الاصول الخمسة، المغنی، المحيط بالتکلیف زیادہ مشہور ہیں۔

چھٹی صدی میں زخشری اور ساتویں صدی میں ابن ابی الحدید اس مکتب کے دو بزرگ علماء گذرے۔ یہ سلسلہ ساتویں صدی تک چلتا رہا۔ لیکن اسکے بعد معتزلہ کی فعالیت تھم گئی اور مذہب اشعری کو اہل سنت کی دنیا میں واحد مکتب کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

معتزلہ کی حیات نو

عصر حاضر میں کچھ مستشرقین اور اہل سنت متفکرین نے معتزلی عقائد کو دوبارہ زندہ کیا ہے جن میں شیخ محمد عبدہ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے اس سلسلہ میں احمد امین مصری کے کلام کا ایک اقتباس ذکر کیا جا رہا ہے: ”معتزلہ کی شکست اور محدثین کی کامیابی مسلمانوں کی مصلحت میں نہیں تھی اگرچہ بہتر یہ تھا کہ معتزلہ منصور کے دور کی طرح اپنی روش پر قائم رہتے اور عباسیوں کے ہاتھوں کھلونا نہ بنتے بلکہ اس طرح اہل حدیث سے ان کی مخالفت قدامت پسندوں کے مقابلہ میں آزادی خواہ جیسی ہوتی اس طرح تمام مسلمان محدثین کے اقتدار سے محفوظ رہتے اور فکری جمود کا شکار بھی نہ ہوتے۔

اس زمانہ میں فقہاء و محدثین صرف احادیث اور گذشتہ فقہاء کے فتوے نقل کرتے تھے اور ہر طرح کی جدت سے پرہیز کرتے تھے۔ مسعودی کے مطابق متوکل نے لوگوں کو تسلیم اور تقلید کا پابند بنادیا تھا اسی وجہ سے اس زمانہ میں مختلف علوم و فنون میں لکھی جانے والی متعدد کتابیں بالکل ایک جیسی ہیں اور ان میں کسی طرح کی جدت دکھائی نہیں دیتی۔ محدثین کا اقتدار تقریباً ایک ہزار سال تک قائم رہا یہاں تک کہ ایک نئی فکر کی تحریک پیدا ہوئی جو حقیقت میں مکتب اعتزال ہی کا پرتو تھی۔ معتزلہ نے اسلام کی عظیم خدمات انجام دیں اس لئے کہ عباسیوں کے دور میں ایک طرف حکومت میں ایرانیوں کا ہاتھ تھا تو دوسری طرف یہود و نصاریٰ بھی حکومت سے نزدیک تھے جو ایسے ماحول سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں شک و شبہات پیدا کرتے تھے جس سے مقابلہ کا تنہا راستہ کلامی اور عقلی استدلال تھا جو صرف معتزلہ ہی انجام دے سکتے تھے۔ لہذا اگر معتزلہ نہ ہوتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ مسلمان کس عظیم مصیبت میں مبتلا ہوتے۔“ (۱)

احمد امین مصری کے ذریعہ معتزلہ کی تعریف قابل قدر ہے لیکن ان کو تنہا محافظ اسلام سمجھنا بھی سراسر غلط ہے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں ائمہ معصومینؑ اور آپ کے شاگرد برابر دین حق کا دفاع کرتے رہے اور اسلام انھیں ذوات مقدسہ کی کوششوں سے زندہ ہے۔

سوالات

۱۔ بنی عباس کے دور حکومت میں معتزلہ کے سیاسی اور سماجی حالات پر روشنی ڈالیں۔

۲۔ عباسیوں کے پہلے دور میں معتزلہ کس صورتحال سے دوچار تھے؟

۳۔ مامون سے واثق تک کے زمانے میں معتزلہ کے کیا حالات تھے؟

۴۔ معتزلہ کی کلامی شکست کے اسباب بیان کیجئے۔

۵۔ معتزلہ کے لئے مصیبت کا دور کب شروع ہوا؟ وضاحت کریں۔

۶۔ معتزلہ کی حیات نو پر روشنی ڈالیں۔

۷۔ معتزلہ کے بارے میں احمد امین مصری کے کلام کا خلاصہ لکھیں۔

انتالیسواں سبق:

فرقہ مرجہ

کلمہ مرجہ

مرجہ ارجاء سے اسم فاعل ہے لغت میں اس کے دو معنی ہیں: ایک کسی کام میں تاخیر کرنا۔ جیسا کہ فرعون کے مشاورین نے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں اس سے کہا:

﴿أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ﴾ (۱)

دوسرے کسی چیز کی امید یا بشارت دلانا۔

ان کو مرجہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ عمل کا مرتبہ قصد و نیت کے بعد قرار دیتے ہیں اور اس بنیاد پر انسان کی نجات کے لئے صرف ایمان کو کافی جانتے ہیں اور عمل کے لئے زیادہ اہمیت کے قائل نہیں ہیں گنگاروں کو حد سے زیادہ امید دلاتے ہیں۔ (۲)

بحث کا موضوع اور مرجہ کی ابتدا

ایمان کے انسان کی نجات کا سبب ہونے میں مرجہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن بحث یہ ہے کہ کیا صرف ایمان نجات کا سبب ہے یا اس کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے؟ یہ مسئلہ

پہلی صدی ہجری کے آخر میں پیدا ہوا اور اکثر مسلمان اس بات کے قائل ہوئے کہ ایمان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے اور اگر انسان سے کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کی فکر میں رہے سوائے مرجئہ کے ان کا عقیدہ تھا کہ صرف ایمان (دل سے اعتقاد اور زبان سے اقرار) نجات کے لئے کافی ہے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا اور عمل صالح سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ (۱)

مرجئہ کی دوسری اصطلاح

یہ اصطلاح زمانہ کے اعتبار سے پہلی والی اصطلاح پر مقدم ہے اور اس کا سبب مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور خلیفہ سوم کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف ہے کچھ لوگ مولائے کائناتؑ کو حق سمجھ کر خلیفہ سوم کی مذمت کرتے تھے اور کچھ اس کے برعکس تھے۔ لہذا یہ طے کیا گیا کہ مسلمان پہلے اور دوسرے خلیفہ کو بھلائی کے ساتھ یاد کریں اور آخر کے دو خلفاء (عثمان و علیؑ) کے بارے میں کچھ نہ کہیں بلکہ اس کا فیصلہ روز قیامت پر چھوڑ دیں۔ (۲) ان لوگوں کو بھی مرجئہ کے نام سے یاد کیا گیا۔

مرجئہ کی غلطی

ایمان کے بارے میں دو طرح سے بحث کی جاتی ہے: ایک دنیاوی احکام کے اعتبار سے جس کے لئے صرف شہادتین کا اقرار کافی ہے اور دوسرے اخروی احکام کے اعتبار سے جس کے لئے تنہا اعتقاد اور اقرار کافی نہیں ہے بلکہ عمل بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں ایمان کا تذکرہ عمل کے ساتھ ہوا ہے اور عمل کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے جیسے:

﴿وَالْعَصْرَ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (۳)

(۱) الايضاح، فضل بن شاذان، ص ۴۵، ۴۶۔ (۲) بحوث فی الملل والنحل، ج ۳، ص ۶۸۔ (۳) سورہ عصر آیت ۱، ۳

”عصر کی قسم بیشک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے۔“

﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ﴾ (۱)
 ”انسان کے لئے صرف اتنا ہی ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے اور عنقریب اس کی کوشش اس کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔“

اس کے علاوہ قرآن مجید میں ان لوگوں کی بھی مخالفت موجود ہے جو ایمان کو یکساں تصور کرتے تھے اور اسکے لئے کمی یا زیادتی کے قائل نہیں تھے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾ (۲)
 ”وہی خدا ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون نازل کیا ہے تاکہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو جائے۔“

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ (۳)
 ”یہ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا تھا۔“

ارجاء اور اخلاق و سیاست

ارجاء کا نظریہ انسانی اخلاق کے لئے بہت بڑا خطرہ اور حکام وقت کے لئے اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اسی لئے اموی حکام نے کبھی بھی عقیدہ ارجاء کی مخالفت نہیں کی جبکہ ائمہ معصومینؑ ہمیشہ اس نظریہ کی مخالفت فرماتے رہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

﴿بَادِرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالْحَدِيثِ قَبْلَ أَنْ يُسَبِّحَكُمْ إِلَهُ الْمَرْجَةِ﴾ (۴)

(۲) سورۃ فتح، آیت ۴.

(۱) سورۃ نجم، آیت ۳۹، ۴۰.

(۳) فروع کافی، ج ۴، ص ۴۷، روایت ۵.

(۴) سورۃ کہف، آیت ۱۳.

”اپنی اولاد کو احادیث سے آگاہ کرو قبل اس کے کہ وہ مرجہ کے جال میں پھنس جائیں“

اس کے علاوہ احادیث پیغمبرؐ میں بھی مرجہ کی مذمت موجود ہے۔ (۱)

اس سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ کی ایک روایت ذکر کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں: ایک شخص نے امام صادقؑ سے کہا کہ مرجہ ہم سے بحث میں کہتے ہیں کہ جو شخص ہمارے نزدیک کافر ہے وہ خدا کے نزدیک بھی کافر ہے اور جو ہمارے نزدیک مومن ہے وہ خدا کے نزدیک بھی مومن ہے۔ امامؑ نے فرمایا: سبحان اللہ یہ دونوں کس طرح ایک جیسے ہو سکتے ہیں اس لئے کہ کفر بندہ کا اقرار خود اپنے بارے میں ہے اور اقرار کی صورت میں بینہ اور گواہ کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ ایمان ایک دعویٰ ہے جس کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے اور عقیدہ پر گواہ، عمل ہے لہذا اگر عقیدہ و عمل میں ہما ہنگی ہو تو دعویٰ قابل قبول ہوگا اور اس پر ظاہری احکام مترتب ہوں گے ورنہ کتنے افراد ایسے ہیں جو ایمان کا اظہار تو کرتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک مومن نہیں ہیں۔ (۲)

سوالات

- ۱۔ کلمہ مرجہ کی وضاحت کریں۔
- ۲۔ مرجہ کی ابتدا اور ان کی بحث کا موضوع تحریر کریں۔
- ۳۔ مرجہ کی دوسری اصطلاح کی وضاحت کریں۔
- ۴۔ مرجہ کی غلطی پر روشنی ڈالیں۔
- ۵۔ اخلاق اور سیاست کے لئے ارجاء کے خطرات بیان کریں۔
- ۶۔ مرجہ کے بارے میں امام جعفر صادقؑ کی دو روایتیں ذکر کریں۔

چالیسواں سبق:

خوارج کے فرقے

خوارج خارجی کی جمع ہے جو خروج سے نکلا ہے اور سرکش و باغی کے معنی میں ہے۔ کلمہ خَرَج جب علیٰ سے متعدی ہو تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں:

۱۔ دوسرے کے مقابلہ میں اعلان جنگ۔

۲۔ اپنے حاکم کی اطاعت سے نافرمانی۔ (۱)

خوارج کو مولائے کائنات کی نافرمانی اور ان کے خلاف بغاوت کی بناء پر خارجی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ لوگ خود اپنے کو شُرَاقہ کہتے ہیں اور تائید میں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِى نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ (۲) کی آیت پیش کرتے ہیں۔

خوارج کا دوسرا نام مارقہ یا مارقین بھی ہے مولائے کائنات کے ذریعہ پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل ہونے والی روایات میں ان کا تذکرہ ہے جیسا کہ ذی الخویصرۃ نامی شخص کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی جو دین سے اس طرح خارج ہوگی جیسے تیرکمان سے۔ (۳)

(۲) سورۃ بقرہ، آیت ۲۰۱۔

(۱) اقرب الموارد، ج ۲، ص ۲۶۳۔

(۳) الايضاح، فضل بن شاذان، ص ۳۸ و ۳۹؛ الملل والنحل شہرستانی، ج ۱، ص ۱۱۵۔

مولائے کائنات کے کلام میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

﴿فلما نهضت بالامر نكثت طائفة ومركب آخرى وقسط آخرون﴾ (۱)
 ”جب اصلاح امور کے لئے اٹھا تو ایک قوم نے عہد شکنی کی اور ایک بغاوت پر کمر بستہ ہو گئی اور
 ایک نے دشمنی اور زیادتی کی۔“

خوارج کے وجود میں آنے کے اسباب

خوارج ۳۷ھ میں جنگ صفین اور حکمیت کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ یہ لوگ مولائے کائنات
 علی بن ابی طالبؑ کے لشکر کے بعض افراد تھے جنہوں نے معاویہ اور عمرو عاص سے دھوکہ کھا کر پہلے
 مولائے کائنات کو معاویہ کی طرف سے حکمیت کی پیشکش کو قبول کرنے پر مجبور کیا اور اس کے بعد جب
 حکمیت پر عمل ہو گیا اور ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے امام سے معذرت کے بجائے اس کا
 ذمہ دار خود امام کو ٹھہرایا اور ان کو دوبارہ مجبور کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ حکمیت سے دست بردار ہو کر
 معاویہ سے دوبارہ جنگ کریں۔

امامؑ نے ان لوگوں کے خلاف قیام کیا اور انکو سمجھایا اور بتایا کہ حکمیت سے جو کچھ تم سمجھتے ہو وہ
 سب غلط ہے بلکہ اس سے مراد آپسی منازعات میں قرآن اور پیغمبرؐ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ (۲)
 دوسرے حکمیت حقیقت میں قرآن کے مخالف نہیں ہے صرف غلطی یہ تھی کہ فتح سے قریب
 ہونے کی صورت میں اسکا قبول کرنا صحیح نہیں تھا لیکن میری مخالفت کرنے کے باوجود تم ہی لوگوں نے
 اس پر مجبور کیا۔

تیسرے عہد و پیمان کا توڑنا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مولائے کائناتؑ کے سمجھانے
 کے باوجود ان لوگوں نے اصرار کیا اور حکمیت کو حکم خدا کے خلاف تصور کیا اور اسکو اتنا بڑا گناہ سمجھا کہ

گویا حکمیت کا عقیدہ شرک ہے اور جس وقت مولائے کائنات صفین سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے وہ لوگ کوفہ سے باہر حروراء نامی جگہ پر ٹھہر گئے شبث بن ربعی کو اپنا سپہ سالار اور عبداللہ ابن کواء کو امام جماعت منتخب کیا اور یہ طے کیا کہ تمام امور مشورہ سے انجام پائیں گے ان لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار قرار دیا ان کے وجود میں آنے کا اہم سبب ان کی کم عقلی اور سادہ اندیشی تھی جس کے نتیجہ میں قرآن کی آیت ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ کی غلط تفسیر کی مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالبؑ نے خوارج کے مذکورہ نعرے کے بارے میں فرمایا:

﴿كَلِمَةٌ حَقٌّ يَرَادُ بِهَا الْبَاطِلُ، نَعَمْ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ وَلَكِنْ هَؤُلَاءِ يَقُولُونَ لَا أَمْرَةَ إِلَّا لِلَّهِ وَلَا بَدَ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ بَرٍّ وَفَاجِرٍ﴾ (۱)

”یہ ایک حق کلمہ ہے جس سے باطل مراد لیا جا رہا ہے حقیقت یہی ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی حکم نہیں ہے لیکن یہ لوگ کہتے ہی کہ خدا کے علاوہ کوئی امیر اور حاکم نہیں جبکہ ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی امیر اور حاکم ضرور ہوتا ہے چاہے نیک ہو یا فاسق۔“

ایک دوسری جگہ پر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَنْتُمْ مَعَاشِرَ أَخْفَاءِ الْهَامِ، سَفَهَاءِ الْإِحْلَامِ﴾ (۲)

”تم ایک کم عقل اور بیوقوف قوم ہو۔“

خارجی فرقے

بغدادی نے خارجی فرقوں کی تعداد بیس بیان کی ہے اور شہرستانی نے صرف آٹھ بڑے فرقوں کا تذکرہ کیا ہے اور باقی فرقوں کو انھیں کی شاخ قرار دیا ہے جو اس طرح ہیں:

۱۔ محکمہ یا حروریہ: یہ پہلا فرقہ ہے جو جنگ صفین کے بعد پیدا ہوا اور حکمیت کو غلط

جاننے کی بنا پر محکمہ کہا گیا اور حروراء کو اپنی قیام گاہ بنانے کی بناء پر حرور یہ کے نام سے مشہور ہوا۔

۲۔ ازرقہ : یہ نافع بن ازرق کا تابع تھا اور سب سے خطرناک فرقوں میں شمار ہوتا ہے۔ عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں بصرہ سے اہواز کی طرف کوچ کیا اور وہاں مختلف علاقوں سے ایک ہزار کا لشکر تیار کر لیا آخر کار حجاج بن یوسف کے زمانہ میں مہلب بن ابی صفرہ کے ہاتھوں ۶۵ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

۳۔ نجدات : یہ نجدہ بن عامر خنی کے تابع ہیں ان کو عاذریہ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ جاہل مقصر وقاصر دونوں کو معذور جانتے ہیں۔

۴۔ بیہسیہ : ابوہیس کے تابع ہیں جو ولید بن عبد الملک کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۵۔ عجار دہ : عبدالکریم بن عجر د کے تابع ہیں یہ بلوغ سے پہلے بچوں کو مسلمان نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ان کو بلوغ کے بعد اسلام کی طرف دعوت دینا چاہئے۔

۶۔ ثعالیہ : ثعلبہ بن عامر کے تابع ہیں یہ بچوں کے سلسلہ میں پہلے عجار دہ کے ہم عقیدہ تھے لیکن بعد میں اس کو ترک کر دیا۔

۷۔ صفریہ : زیاد بن اصفہ کے تابع ہیں ان کی نظر میں اس گناہ کے انجام دینے والے کافر ہیں جس کے لئے شرعی حد معین کی گئی ہو۔ جیسے زنا، چوری یا زنا کی جھوٹی نسبت دینا وغیرہ۔ البتہ جن گناہان کبیرہ کے لئے شرعی حد معین نہیں ہے ان کا مرتکب بھی کافر کہا جاتا ہے۔

۸۔ اباضیہ : عبداللہ بن اباض کے تابع ہیں جن کے بارے میں آئندہ بحث ہوگی۔

سوالات

- ۱۔ کلمہ خوارج کی وضاحت کریں۔
- ۲۔ ذی الخویصرہ سے متعلق حدیث تحریر کریں۔
- ۳۔ خوارج کی تاریخ اور ان کے وجود میں آنے کے اسباب بیان کریں۔
- ۴۔ خوارج کے مقابلہ میں مولائے کائنات کے تینوں استدلال بیان کریں۔
- ۵۔ خوارج کے وجود میں آنے کا سب سے اہم سبب بیان کریں اور اس سلسلہ میں امام کا کلام تحریر کریں۔
- ۶۔ خوارج کے آٹھ فرقے کون کون ہیں؟ سب کے نام ذکر کیجئے۔

اکتالیسواں سبق:

فرقہ اباضیہ

چونکہ خوارج کا صرف یہی فرقہ باقی رہ گیا ہے جس کے تابعین آج بھی مختلف اسلامی ممالک میں موجود ہیں لہذا اس کے بارے میں مختصر بحث ضروری ہے۔

مذہب اباضیہ کا بانی

قول مشہور کی بناء پر اس مذہب کا بانی عبد اللہ بن اباض تميمی ہے جس کی ولادت یا وفات کی تاریخ مشخص نہیں ہے لیکن مشہور ہے کہ اس نے معاویہ کا زمانہ درک کیا ہے اور عبد اللہ مروان کے زمانہ تک زندہ رہا ہے۔ (۱) بعض دوسرے افراد عبد اللہ بن اباض کی طرف نسبت کے باوجود جابر بن زید ابو الشعثاء کو اس فرقہ کا بانی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن اباض جابر ابن زید کے نظریات کے مطابق اپنے نظریات کا اظہار کیا کرتا تھا۔ (۲) ۱۸ھ میں عمان کے دار الحکومت شہر نزوی میں جابر کی ولادت ہوئی اور ۹۳ھ میں بصرہ میں اس کا انتقال ہوا بہت سے صحابہ سے کسب فیض کیا اور فقہ میں ایک بہت بڑی کتاب دیوان جابر کے نام سے تالیف کی جو بعد میں تلف ہو گئی۔ حدیث میں صاحب مُسند ہے۔ جس میں علی بن ابی طالبؓ، ابن عباسؓ، ابو سعید خدریؓ، عائشہؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابو ہریرہؓ اور

انس بن مالک سے روایات نقل کی ہیں بعض لوگوں نے ان دونوں کو اس مذہب کا بانی قرار دیا ہے جس میں سے عبداللہ بن اباض کو سیاسی قائد تصور کیا ہے اور جابر بن زید کو علمی اور فقہی رہنما۔

تاریخی ادوار

دوسری صدی ہجری میں یمن، حضر موت اور حجاز میں اس مذہب کے ماننے والے پھیل گئے اور اس کی نشر و اشاعت میں سب سے اہم کردار عبداللہ بن یحییٰ کا رہا جس کا لقب طالب الحق تھا۔ اباضیہ اب بھی مختلف اسلامی ممالک میں موجود ہیں جن کا اہم ترین مرکز عمان ہے یہاں کارکنی مذہب اباضیہ ہے اس فرقے کے بعض افراد افریقی ممالک جیسے زنجبار، الجزائر، لیبیا، تیونس وغیرہ میں بھی رہتے ہیں۔ (۱)

اباضیہ کے کلامی عقائد

بعض مصنفین کے مطابق یہ لوگ صرف حکمیت کو غلط جانتے ہیں اور امام کے لئے قریشی ہونے کی شرط کو ضروری نہ جاننے میں باقی اسلامی فرقوں کے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں ورنہ دوسرے کلامی مسائل میں بقیہ کلامی مذاہب کے ساتھ ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے مثلاً صفات خداوند، رؤیت، تنزیہ، تاویل اور حدوث قرآن کے سلسلہ میں معتزلہ اور شیعہ افراد کے ہم عقیدہ ہیں شفاعت میں معتزلہ کے موافق ہیں اور مسئلہ قدر اور خلق افعال میں اشاعرہ کے نظریہ سے اتفاق رکھتے ہیں۔ (۲)

الکشف والبیان نامی کتاب کے مؤلف قلہاتی نے دوسرے مذاہب کے ساتھ اباضیہ کے اختلاف کو اس طرح بیان کیا ہے:

”اباضیہ مندرجہ ذیل عقائد میں قدریہ اور معتزلہ کے مخالف ہیں:

۱۔ انسانی افعال میں قدر الہی کے انکار کے سلسلہ میں۔

۲۔ برے کاموں کے لئے پروردگار کے ارادہ کی عمومیت کے انکار میں۔

۳۔ ایمان و کفر کے درمیان ایک تیسری منزل کے اثبات کے سلسلہ میں۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل عقائد میں ان کے موافق ہیں:

۱۔ صفات ذاتی کے عین ذات ہونے میں۔

۲۔ پروردگار کی رویت بصری کے انکار کے سلسلہ میں۔

۳۔ مومن کے لئے ثواب کا مستحق ہونے میں اگر وہ گناہ نہ کرے یا توبہ کر لے۔

۴۔ مرتکبین کبار کے بغیر توبہ کئے مرجانے کی صورت میں ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا رہنے

کے بارے میں۔

۵۔ امامت کے مسئلہ میں نص کے انکار میں۔

مندرجہ ذیل عقائد میں اہل سنت اور اشاعرہ کے مخالف ہیں:

۱۔ صفات خبریہ کے بغیر تاویل کے اثبات میں۔

۲۔ قیامت میں خدا کی بصری رویت کے اثبات کے بارے میں۔

۳۔ مرتکبان کبار کے لئے شفاعت کے عقیدہ میں۔

۴۔ مرتکبان کبار کے ہمیشہ جہنم میں نہ رہنے کے بارے میں۔

۵۔ صفات ذاتی کے زائد ہونے کے بارے میں۔

۶۔ امام کے لئے قریشی ہونے کی شرط کے بارے میں۔

۷۔ امام کی اطاعت کے واجب ہونے کے بارے میں چاہے وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو۔

اور تین عقائد میں ان کے موافق ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ افعال انسان میں قدر الہی کے بارے میں۔

۲۔ افعال بشر کے لئے پروردگار کے ارادہ کی عمومیت کے بارے میں۔

- ۳۔ خلق افعال اور نظریہ کسب کے بارے میں۔
- مذکورہ نظریات سے شیعوں کی موافقت اور مخالفت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ مندرجہ ذیل تین مسائل میں شیعوں کے موافق ہیں:
- ۱۔ صفات ذاتی کے عین ذات ہونے کے سلسلہ میں۔
 - ۲۔ صفات خبریہ کی تاویل و تفسیر میں۔
 - ۳۔ پروردگار کی رویت بصری کے محال ہونے کے بارے میں۔
- اور مندرجہ ذیل مسائل میں شیعوں کے مخالف ہیں:
- ۱۔ امامت میں نص کے بارے میں۔
 - ۲۔ گناہگاروں کی شفاعت کے بارے میں۔
 - ۳۔ مرتکبین کبائر کے ہمیشہ جہنم میں نہ رہنے کے بارے میں گناہ کبیرہ کے ارتکاب کو شرک کا سبب نہ قرار دینے کے بارے میں۔

سوالات

- ۱۔ مذہب اباضیہ کے بانی کے بارے میں کتنے نظریے ہیں؟ تحریر کریں۔
- ۲۔ مذہب اباضیہ کے تاریخی ادوار پر روشنی ڈالیں۔
- ۳۔ موجودہ دور میں اباضیہ کہاں ہیں؟
- ۴۔ اباضیہ کے عقائد کے بارے میں بعض مصنفین کے نظریات تحریر کریں۔
- ۵۔ دوسرے مذاہب کے ساتھ اباضیہ کے عقائد کی کیا نسبت ہے اس سلسلہ میں قلباتی کا نظریہ تحریر کریں۔

بیالیسواں سبق:

فرقہ جہمیہ

فرقہ جہمیہ، جہم بن صفوان (متوفی ۱۲۸ھ) کے تابع ہیں جو بعد بن درہم کا شاگرد اور واصل بن عطا کا ہم عصر تھا بنی امیہ کے آخری دور میں سلم ابن احوز مازنی کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ (۱) مل و نحل کی کتابوں میں جہم بن صفوان کی طرف مندرجہ ذیل عقائد کی نسبت دی گئی ہے:

۱۔ جبر گرائی مطلق (مطلق مجبوری)

بغدادی نے اس سلسلہ میں کہا ہے:

قال بالاجبار والاضطرار الى الاعمال وانكر الاستطاعات كلها... وقال لا فعل ولا عمل لاحد غير الله تعالى وانما تنسب الاعمال الى المخلوقين على المجاز، كما يقال: زالت الشمس ودارت الریح من غير ان يكونا فاعلين او مستطيعين لما وصفتا به (۲)

”وہ اعمال میں مکمل مجبوری کا قائل ہے اور اس کا کہنا ہے کہ کوئی فعل خدا کے علاوہ کسی اور کا

نہیں ہے۔ بندوں کی طرف نسبت صرف مجازی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ سورج ڈوب گیا چکی چل رہی ہے جب کہ سورج یا چکی فاعل نہیں ہوتی اور نہ ان میں خود ان کاموں کی طاقت ہوتی ہے۔“
شہرستانی کا بھی اس سلسلہ میں یہی نظریہ ہے۔

۲۔ ایمان و معرفت

جہم کی نظر میں ایمان سے مراد صرف معرفت ہے جیسا کہ بغدادی نے کہا ہے:
وزعم ايضاً ان الايمان هو المعرفة بالله تعالى فقط وان الكفر هو الجهل به فقط. (۱)
”اسکا گمان ہے کہ ایمان صرف خدا کی معرفت اور کفر اسکو نہ پہچاننا ہے۔“
اس نظریہ کی نسبت بعض اہل تشیع اور قدریہ میں ابوالحسن اشعری اور ابوالحسنین صالحی کی طرف بھی دی گئی ہے (۲) اور اس پر ﴿ان اول الدين معرفته﴾ کے ذریعہ دلیل قائم کی گئی ہے لیکن قرآن مجید کی واضح آیات پر توجہ رکھتے ہوئے یہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ قرآن میں معرفت کے ساتھ بھی ایمان کی نفی کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾ (۳)

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾ (۴)

”اور لوگوں نے غرور کی بناء پر انکار کر دیا اور نہ ان کے دل کو بالکل یقین تھا۔“

یہ شخص (جہم بن صفوان) ایمان کی کمی یا زیادتی کا بھی قائل نہیں تھا۔

۳۔ صفات خداوند اور تعطیل

(۲) شرح المقاصد، ج ۵؛ ارشاد الطالبین، ص ۴۳۹۔

(۱) الفرق بین الفرق، ص ۲۱۱۔

(۳) سورۃ نمل، آیت ۱۴۔

(۴) سورۃ بقرہ، آیت ۸۳۔

جہم نے تنزیہ پروردگار کی وجہ سے بہت سی ان صفات کو پروردگار کی ذات پر حمل کرنے سے منع کیا ہے کہ جو انسانوں پر بھی حمل ہو سکتی ہیں جیسے عالم، حتی وغیرہ سے جبکہ اس کی نظر میں پروردگار کے لئے صرف ان صفات کا استعمال صحیح ہے جو اس کے افعال پر دلالت کرتی ہیں جیسے قادر خالق وغیرہ۔

جہم نے اس نظریہ میں مصداق کے حکم کو مفہوم میں سرایت کیا ہے اس کی نظر میں اس نظریہ سے ایک طرح کی تعطیل کا گمان ہوتا ہے جیسا کہ امام محمد تقی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا جائز ہے کہ ہم خدا کو شی کہیں؟ امام نے ارشاد فرمایا: ہاں، لیکن تشبیہ و ابطال (تعطیل) کی نفی کی رعایت کے ساتھ۔ (۱)

۴۔ علم الہی کا حادث ہونا

جہم کا نظریہ ہے کہ موجودات کے سلسلہ میں پروردگار کا علم حادث ہے اور کسی چیز کے ذریعہ قائم نہیں ہے۔ اس نے اپنے اس نظریہ پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ خداوند عالم کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کو اشیاء کا پہلے سے علم تھا اس لئے کہ اس صورت میں اس کا علم اپنی حالت پر باقی رہے گا ایسی صورت میں جہل لازم آئے گا اس لئے کہ پہلے اشیاء کے مستقبل میں ہونے کا علم تھا اور اب حال میں موجود ہونے کی بات ہے یا اس کا علم گزشتہ حالت سے متغیر ہو جائے گا جس کا لازمہ حدوث ہے اور جب علم کا حادث ہونا ثابت ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ علم کا کوئی محل نہیں ہے اس لئے کہ اگر علم کا محل ذات خدا ہو تو اس میں تغیر لازم آئے گا۔ (۲)

جواب: پروردگار عالم کے علم کے دو مرحلے ہیں: ایجاد سے پہلے اور ایجاد کے بعد، اور علم الہی کا تعلق خود اشیاء کا وجود ہے جو پیدائش سے پہلے واحد اور بسیط ہوتا ہے اور پیدائش کے بعد اس میں تفصیلات وجود میں آتی ہیں لہذا علم پروردگار بھی پیدائش سے پہلے واحد اور بسیط ہے اور پیدائش کے بعد علم فعلی ہے جو صفات افعالی میں شمار ہوتا ہے اور دونوں مرحلوں کا علم پروردگار کے لئے علم حضوری ہے۔

۵۔ بہشت و دوزخ کی فنا

جہم کے دوسرے عقائد میں جنت و جہنم کو فانی سمجھنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جزا و سزا کے بعد جنت و جہنم بھی فنا ہو جائیں گے اور اس کے لئے دو طریقوں سے استدلال کیا ہے:

۱۔ عقلی دلیل جس کا مطلب ہے غیر متناہی حرکات جس طرح اپنے آغاز میں ناممکن ہیں اسی طرح انجام میں بھی۔

۲۔ نقلی دلیل: سورہ ہود کی آیت ۱۰۷-۱۰۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت و جہنم میں داخلہ کی شرط مشیت الہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت یا جہنم میں ہمیشہ رہنے کا مسئلہ یقینی نہیں ہے۔

جواب: حرکات غیر متناہی کے محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔

دلیل نقلی میں جنت و جہنم میں داخلہ کے لئے مشیت الہی کے شرط ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا متحقق ہونا یقینی نہیں ہے اس کے علاوہ ان دونوں آیات میں جو استثنا ہے وہ یہ بیان کرنے کے لئے آیا ہے کہ خدا کی قدرت اور اس کا ارادہ کسی چیز کا تابع نہیں ہے۔

سوالات

۱۔ جہم بن صفوان کون تھا؟ جبر کے بارے میں اس کا کیا نظریہ ہے؟

۲۔ ایمان کی تفسیر میں جہم بن صفوان کا عقیدہ لکھ کر اس پر تنقید کریں۔

۳۔ صفات الہی کے بارے میں جہم کا عقیدہ تحریر کریں۔

۴۔ علم الہی کے بارے میں جہم کا عقیدہ لکھ کر اس کے جوابات لکھیں۔

۵۔ جہم کے دوسرے عقائد جو شیعوں اور معتزلہ سے ہماہنگ ہیں تحریر کریں۔

تینتا لیسواں سبق:

ضراریہ، نجاریہ، کڑامیہ

۱۔ ضراریہ

یہ لوگ ضرار ابن عمرو کے تابع ہیں۔ ضرار ابو الہذیل علف (متوفی ۲۱۶ھ) کے ہم عصر تھا بشر ابن معتمر نے اس کی رد میں کتاب الرد علی الضرار لکھی ہے اور خود اس نے اسلامی فرقوں کے بارے میں التحریش نامی کتاب لکھی ہے جس کا مدرک کلام رسول کو قرار دیا گیا ہے۔ (۱)

یہ لوگ کچھ مسائل میں معتزلہ کے موافق ہونے کے علاوہ اکثر مسائل میں اہل حدیث اور اشاعرہ کے موافق ہیں۔ ان کے مخصوص عقائد مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ تفسیر سلبی صفات: یعنی خداوند عالم کے عالم وقادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جاہل اور عاجز نہیں ہے نہ کہ علم و قدرت کا اثبات۔ یہ نظریہ تعطیل کا واضح ترین مصداق ہے۔
- ۲۔ جو اس خمسہ کے علاوہ انسان کے پاس ایک چھٹی حس بھی ہے جس کے ذریعہ خداوند عالم کو قیامت کے دن دیکھ سکے گا۔

- ۳۔ خداوند عالم کی ایک ماہیت ہے جو اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ

حفص الفرد بھی انہیں نظریات کا حامل ہے۔ (۱) ابن ندیم نے اس کو اکابر مجرہ میں شمار کیا ہے۔ ضرار نے کتابیں بھی تالیف کی ہیں جیسے کتاب الاستطاعة، کتاب التوحید، کتاب فی المخلوقات علی ابی الہذیل، الرد علی النصاری، الرد علی المعتزلہ، کتاب الابواب فی المخلوق۔ (۲)

۲۔ نجاریہ

یہ لوگ ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن عبد اللہ نجار کے تابع ہیں۔ یہ نظام معتزلی (متوفی ۲۲۳ھ) کے ہم عصر تھا اور ان سے مناظرہ بھی کیا۔ ابن ندیم نے وہ مناظرہ ذکر بھی کیا ہے جس میں نجار کو شکست ہوئی جس کے نتیجہ میں وہ بیمار ہو گیا اور پھر انتقال کر گیا۔ اس کی بہت سی کتابیں ذکر کی گئی ہیں جیسے کتاب الاستطاعة، کتاب مخلوق الصفات والاسماء اثبات الرسل، العدیل والتجوید، القضاء والقدر، کتاب الارحاء، الرد علی الملحدين و... (۳)

بغدادی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ:

وقد وافقوا اصحابنا فی اصول وافقوا القدریہ فی اصول وانفردوا باصول لهم۔
 ”وہ کچھ اصول میں ہمارے ہم عقیدہ ہیں اور کچھ میں قدریہ کے اور کچھ ان کے مخصوص عقائد ہیں۔“
 اسی طرح بغدادی نے برغوثیہ، زعفرانیہ اور مستدرکہ کو مشہور ترین نجاری فرقوں میں شمار کیا ہے۔ (۴)

۳۔ کرامیہ

یہ لوگ محمد بن کرام بختانی کے تابع ہیں۔ بغدادی نے لکھا ہے اس کو سیستان سے جو رجیہ ملک بدر کر دیا گیا پھر محمد بن طاہر ابن عبد اللہ کی حکومت کے زمانہ میں پھر نیشاپور آیا بہت سے عوام اس کی

(۲) الفہرست، ص ۲۵۵۔

(۱) الملل والنحل، ج ۱، ص ۹۰ و ۹۱۔

(۴) الفرق بین الفرق، ص ۲۰۷ و ۲۱۰۔

(۳) الفہرست، ص ۵۲۳۔

طرف مائل ہو گئے۔ خراسان میں اس فرقہ کی تین شاخوں کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ حقائقہ ۲۔ طرائقیہ ۳۔ اسحاقیہ

اور شہرستانی نے بارہ شاخوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں چھ کو اصل قرار دیا ہے:

۱۔ عابدیہ ۲۔ تونیہ ۳۔ زریہ ۴۔ اسحاقیہ ۵۔ واحدیہ ۶۔ یثیمیہ

ان کے مشہور ترین نظریات اس طرح ہیں:

تجسیم و تشبیہ

علماء نے بیان کیا ہے کہ محمد بن کرام کا عقیدہ تھا کہ خدا عرش پر مستقر ہے اور بلندی کی جہت میں ہے نیز اس کے لئے جسم و جوہر کا اطلاق جائز ہے۔ ابن یثیم نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ جسم سے مراد قیام بالذات ہے اور فوقیت سے مراد علو ہے۔

اسی طرح ابن یثیم نے مشبہ سے فرق بیان کرنے کے لئے کہا ہے کہ مشبہ خداوند عالم کے لئے شکل و صورت، مصافحہ، ومعانقہ وغیرہ کی بات کہتے ہیں جبکہ کرامیہ صرف آیات و روایات پر اکتفاء کرتے ہیں انھیں صفات کو تصور کرتے ہیں جن کا تذکرہ آیات و روایات میں آیا ہے۔

خداوند عالم کے ذریعہ حوادث کا قیام

یہ لوگ حوادث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک وہ حوادث جو خداوند عالم کی ذات میں واقع ہوئے ہیں اور دوسرے وہ جو اس کی ذات سے باہر ہیں۔

پہلی قسم قدرت خدا کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے اور دوسری قسم احداث کے ذریعہ، احداث سے مراد وجود میں لانا اور فنا کرنا ہے جو خدا کی ذات میں ہے اس کی قدرت سے رونما ہوتا ہے محمد بن یثیم نے ایجاد و عدم کی تفسیر ارادہ اور اختیار سے کی ہے اور آیت: ”انما امرہ اراد شیئا ان یقول له کن فیکون“ میں کُن کو قول سے مشروط قرار دیا ہے۔ ان کی نظر میں حادث کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ امر تکوینی

۲۔ امر غیر تکوینی

ان کا گمان یہ ہے کہ پروردگار عالم کی ذات محل حوادث ہے۔ اس لئے کہ ماضی، مستقبل کے بہت سے حالات کتابوں کا نزول، نبیوں کا آنا سب کا مرکز اسکی ذات ہے۔

کرامیہ اور دوسرے مذاہب

کرامیہ بہت سے عقائد سے ہماہنگ ہیں جیسے صفات ازلی اور صفات کے زائد بر ذات ہونے کا اعتقاد اور اچھے برے تمام اعمال کے لئے پروردگار کے ارادہ کی عمومیت کا اعتقاد بندوں کے افعال میں کسب کا اعتقاد۔

اسی طرح مسئلہ حسن و قبح میں عدلیہ کے تابع ہیں اگرچہ لطف اور صلح کے عقلی طور پر واجب ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

ایمان کو صرف اقرار زبانی سے تفسیر کرتے ہیں اور احکام دنیاوی اور اخروی میں فرق کر کے منافق کو احکام دنیاوی میں مومن اور احکام اخروی کے اعتبار سے مستحق عذاب سمجھتے ہیں۔

امامت کے سلسلہ میں اہل سنت کے ہم عقیدہ ہیں لیکن ایک زمانہ میں دو اماموں کے وجود کو جائز اور صحیح سمجھتے ہیں۔ (۱)

(۱) مقالات اسلامیہ، ج ۱، الفرق بین الفرق، ص ۲۱۵، ۲۲۵؛ الملل النحل شہرستانی، ج ۱، ص ۱۰۸، ۱۱۳؛ بحوث فی الملل والنحل، ج ۳، ص ۱۱۳، ۱۱۵؛ شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۹۹۔

سوالات

- ۱۔ ضراریہ کس کے پیرو ہیں؟
- ۲۔ معتزلہ کے ساتھ ضراریہ کے مشترک عقائد تحریر کریں۔
- ۳۔ نجاریہ فرقہ کا بانی کون ہے؟ اس کے عقائد کے سلسلہ میں بغدادی نے کیا کہا ہے؟
- ۴۔ فرقہ کرامیہ کا بانی کون ہے؟ کرامی فرقوں کے بارے میں شہرستانی نے کیا کہا ہے؟
- ۵۔ تشبیہ اور تجسیم میں ابن کرام کی طرف منسوب عقیدہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں ابن ہشیم نے کیا توجیہ کی ہے؟
- ۶۔ کرامیہ کے عقائد کا دوسرے مذاہب سے مقایسہ کریں؟

خلاصہ (مطلوبہ کرنے والے فرقے)

پانچویں فصل

غلات (غلو کرنے والے فرقے)

چوالیسواں سبق:

غلو اور غالی

اسلامی دنیا میں بہت سے ایسے فرقے ہیں جو پیغمبر اکرم ﷺ اور اہل بیتؑ کے سلسلہ میں غلو کا شکار ہیں علماء اسلامی نے انہیں کافر اور مرتد قرار دیا ہے۔ الفرق بین الفرق نامی کتاب کے مولف نے اپنی کتاب کا ایک باب غالیوں سے مخصوص کیا ہے اور ان کو اسلام کی طرف منسوب فرقہ قرار دیا ہے۔ اسفرائینی نے بھی اپنی کتاب میں ایک باب غالیوں سے مخصوص کیا ہے۔ (۱)

لیکن چونکہ گذشتہ تمام فرقے ختم ہو گئے ہیں لہذا اب ان کی تفصیلات ذکر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے البتہ غلو کی تفسیر اور اس سلسلہ میں ائمہ اہل بیتؑ کے موقف کی وضاحت ضروری ہے۔

غلو کیا ہے؟

شیخ مفید نے غلو کی تعریف اس طرح کی ہے کہ لغت میں غلو حد اعتدال سے باہر آ جانے کو کہتے ہیں خداوند عالم نے نصاریٰ کو جناب عیسیٰؑ کے بارے میں غلو کرنے سے منع کیا ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ (۲)

”اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور خدا کے بارے میں حق کے علاوہ

اور کچھ نہ کہو۔“

اس کے بعد غلات اور مفوضہ کے بارے میں شیخ مفید نے لکھا ہے کہ: ”غلات ایک ایسا گروہ ہے جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ اور مولائے کائنات اور ان کی نسل کے دوسرے ائمہ کو خدا اور پیغمبر سمجھتا ہے اور ان کے بارے میں حد اعتدال سے آگے بڑھا ہوا ہے۔“

مفوضہ بھی غلات ہی میں سے ہیں لیکن اس فرق کے ساتھ کہ یہ ائمہ کو مخلوق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پروردگار عالم نے ان کو خلق کر کے امر خلق ان کے حوالہ کر دیا ہے۔“ (۱)

علامہ مجلسی نے غلو کا معیار مندرجہ ذیل امور کے اعتقاد کو قرار دیا ہے:

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ اہل بیت کے لئے الوہیت کا اعتقاد رکھنا۔

۲۔ ان کو معبودیت، خالقیت اور رزاقیت میں شریک سمجھنا۔

۳۔ خداوند عالم کا ان کی ذات میں حلول کرنے یا ان کے ساتھ متحد ہو جانے کا اعتقاد رکھنا۔

۴۔ ان کا بغیر وحی والہام کے غیب سے آگاہ ہو جانے کا اعتقاد رکھنا۔

۵۔ ائمہ معصومینؑ کی نبوت کا اقرار۔

۶۔ ائمہ طاہرین کی ارواح کا ایک دوسرے میں تناخ کا اعتقاد۔

۷۔ ان کی معرفت کے ساتھ اطاعت الہی اور ترک معصیت کی ضرورت نہیں رہتی۔“ (۲)

ائمہ اہل بیتؑ کا موقف

ائمہ طاہرین نے غالیوں کی شدید مخالفت اور مذمت کی ہے اور ان کو کافر جانا ہے۔

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں اس سلسلہ میں تقریباً سو روایات جمع کی ہیں جن میں تین کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔

الف : مولائے کائنات نے فرمایا:

﴿اللهم انّی برئ من الغلاة کبرائة عیسیٰ بن مریم من النصارى. اللهم اخذلهم ابدأ ولا تنصر منهم احدا﴾ (۱)

”بارالہا میں غالیوں سے اسی طرح بیزار ہوں جس طرح نصاریٰ سے عیسیٰ ابن مریم بے زار تھے بارالہا ان کو ہمیشہ رسوا کر اور ان میں سے کسی کی مدد نہ کر۔“

ب : امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ﴿احذروا علی شبابکم الغلاة لا یفسدوہم فان الغلاة شر خلق اللہ یصغرون عظمة اللہ ویدعون الربوبیة لعباد اللہ﴾ (۲)

”اپنے جوانوں کو غالیوں سے بچاؤ کہ وہ ان کو خراب نہ کریں۔ غالی خدا کی سب سے بدترین مخلوق ہیں خدا کی عظمت کو کم سمجھتے ہیں اور اس کے بندوں کے لئے ربوبیت کا عقیدہ رکھتے ہیں“

ج : امام جعفر صادقؑ نے غالیوں کے ساتھ معاشرت سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لا تقاعدوہم ولا تواكلوہم ولا تشاربوہم ولا تصافحوہم ولا توارثوہم﴾ (۳)

”غالیوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرو، ان کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرو، ان سے مصافحہ نہ کرو اور ان کو اپنا وارث نہ بناؤ۔“

علماء شیعہ اور تکفیر غلات

شیخ صدوق نے کہا ہے کہ: ”غلات کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں اور یہود و نصاریٰ، مجوس، قدریہ، حروریہ اور دوسرے فرقوں سے بدتر ہیں۔ (۴)

شیخ مفید نے ان کو کافر اور گمراہ جانا ہے اور کہا ہے ائمہ معصومینؑ نے ان پر کفر اور اسلام سے

(۲) بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۳۶۵.

(۱) بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۳۶۵.

(۳) الاعتقادات فی دین الامامیۃ، ص ۷۱.

(۳) بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۲۹۶.

خارج سمجھنے کا حکم لگا ہے۔ (۱)

علامہ مجلسی نے بھی غلو کے معیار کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ:

ان میں کوئی ایک بھی اعتقاد الحاد، کفر اور دین سے خارج ہونے کا سبب ہے، جیسا کہ آیات و روایات اور عقلی دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے لہذا اگر کہیں پر کسی حدیث میں غلو کا شبہ ہو تو اس کی تاویل کرنا چاہئے اور اگر تاویل نہ ہو سکے تو اس کو غالیوں کا افتراء سمجھنا چاہئے۔ (۲)

اعتدال کی رعایت ضروری ہے

غلو غلط ہے اور کفر و گمراہی کا سبب ہے اس طرح لوگوں کی طرف بلا وجہ غلو کی نسبت دینا بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ اولیاء الہی کے لئے علم غیب کے اعتقاد کو غلو سے نسبت دیتے ہیں یا انبیاء کے علاوہ دوسروں کی عصمت اور معجزات پر قدرت رکھنے کے عقیدہ کو غلو کے مصداق میں شمار کرتے ہیں شیعوں پر اس قسم کے الزامات کی بھرمار ہے۔

جس پر کسی بھی طرح عقلی یا نقلی دلیل نہیں قائم کی جاسکتی ہے بلکہ اس کے برخلاف شیعہ و سنی دونوں علماء نے اولیاء الہی کے لئے کرامت اور علم غیب کے عقیدہ کو صحیح جانا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت ہے جس میں غیر نبی کے لئے محدث (خدا کی گفتگو کے مخاطب) ہونے کی بات کہی گئی ہے۔ (۳)

سعد الدین تفتازانی نے اولیاء خدا سے خارق العادہ امور کے اظہار کو عقلاً ممکن جانا ہے اور قرآن کریم میں جناب مریم، آصف بن برخیا وغیرہ کے واقعات نیز پیغمبر اکرم ﷺ کے اصحاب خصوصاً حضرت علی علیہ السلام کے کرامات کے ذریعہ ان سے خارق العادہ امور کے واقع ہونے پر

(۲) بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۳۲۶۔

(۱) تصحیح الاعتقاد، ص ۱۰۹۔

(۳) صحیح بخاری، ج ۳، ص ۲۹۵۔

استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ:

”اولیاء خدا سے کرامات کا ظہور وضاحت کے اعتبار سے انبیاء کے معجزات جیسا ہے۔“ (۱)
 اسی بنا پر شیخ مفید نے ان لوگوں کو جو ائمہ اہل بیتؑ کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ احکام دینی میں یہ ذوات مقدسہ اپنے گمان اور اپنی رائے پر عمل کرتی تھیں شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ (۲) حقیقت ایمان اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ائمہ معصومینؑ کے تمام فضائل و کمالات اور معجزات جو ضروریات دین یا محکمات قرآن سے نہ ٹکراتے ہوں ان کو قبول کرنا چاہئے۔ (۳)

سوالات

- ۱۔ غلو اور غالیوں کے بارے میں شیخ مفید کا کلام تحریر کریں۔
- ۲۔ علامہ مجلسی کے کلام کی روشنی میں غلو کے اقسام تحریر کیجئے۔
- ۳۔ غلو اور غالیوں کے بارے میں شیخ مفید کا نظریہ لکھئے۔
- ۴۔ غالیوں کی مذمت میں شیخ صدوق کا کلام تحریر کیجئے۔
- ۵۔ غلو کے بارے میں صحیح راستہ کیا ہے؟ شیخ مفید کا کلام تحریر کریں۔
- ۶۔ اولیاء الہی کی کرامت کے بارے میں تفتازانی کا کلام نقل کریں۔

پینتالیسواں سبق:

فرقہ دروزی

خصوصیات

یہ فرقہ اسماعیلیہ سے نکلا ہے اس لئے بہت سے عقائد و اصطلاحات میں ان سے متفق ہے اگرچہ یہ لوگ خود اپنے کو مستقل اور موحد کہلانا چاہتے ہیں یہ الحاکم بامر اللہ (متوفی ۴۱۱ھ) کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ غائب ہے اور ایک دن ظہور کرے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ الحاکم بامر اللہ الوہیت کی ناسوتی صورت ہے وہی واحد، صمد اور عدد و شمار سے منزہ ہے اس جیسا کوئی نہیں ہو سکتا۔ دروزی اسکی اطاعت میں اپنی جان، مال، اولاد اور سب کچھ اسی کے حوالہ سمجھتے ہیں اور اپنے نفع نقصان پر کوئی توجہ نہیں رکھتے۔ ان کی نظر میں دروزی وہ ہے جسکا عقیدہ ہو کہ آسمان میں کوئی خدا اور زمین میں کوئی امام الحاکم کے علاوہ نہیں ہے۔ (۱) یہ لوگ سوریہ اور لبنان میں رہتے ہیں ۱۹۵۶ء کی مردم شماری کے مطابق لبنان میں ان کی تعداد ۸۸۱۰۰ افراد تھی اور ۱۹۴۷ء کی مردم شماری کے مطابق سوریہ میں ان کی تعداد ۹۶۶۴۱ افراد تھی۔ (۲)

دروزیوں کے بڑے رہنما

دروزیوں کے سب سے بڑے رہنما حمزہ بن علی بن احمد دروزنی معروف بہ لبّاد، حسن بن

(۱) تاریخ اندیشہ های کلامی در اسلام، ج ۲، ص ۳۶۳-۳۶۴۔ (۲) تاریخ اندیشہ های کلامی در اسلام، ج ۲، ص ۵۶۷۔

حیدرہ فرغانی معروف بہ اہرم، محمد بن اسماعیل دروزی معروف بہ انوشکین بخاری ہیں۔ ان تینوں کے بارے میں زیادہ تفصیلات موجود نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کون مقدم اور مؤخر ہے یہ بھی معلوم نہیں ہے۔ بعض تحریروں کے مطابق محمد بن اسماعیل دروزی نے ۴۰۷ھ یا ۴۰۸ھ میں حاکم سے رابطہ کیا اور اسکو خدائی کے دعوے پر آمادہ کیا تو اس نے خود کچھ نہ کرتے ہوئے اسکو تبلیغ کی اجازت دیدی اسی وجہ سے اس فرقہ کو دروزی کہا جاتا ہے۔

محمد دروزی کے حالات زندگی کی تفصیلات موجود نہیں ہیں لیکن بعض شارحین نے اس کی تاریخ وفات ۴۱۰ھ قرار دی ہے ان کا اشارہ ہے اس کا قتل حمزہ ابن علی کی سازش کا نتیجہ تھا جس نے حاکم کو اس کے قتل پر آمادہ کیا لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

حمزہ بن علی نے داعی کے طور پر ۴۰۸ھ میں فعالیت شروع کی۔ اس نے الحاکم بامر اللہ کو خط لکھا اور اس میں اس کے خدا ہونے کا اعلان کیا۔

تعب کی بات یہ ہے کہ حمزہ بن علی نے اپنے ایک رسالہ میں محمد کو متہم کیا ہے کہ وہ حاکم کو صرف انسان سمجھتا ہے نہ کہ خدا اور اسکا کہنا ہے کہ حاکم میں علی بن ابی طالبؑ کی روح منتقل ہو گئی ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ علی صرف ایک بنیاد ہیں جو امام ہیں نہ کہ خدا۔

دروزیوں کی نسل

ان کا عقیدہ ہے کہ وہ قدیم عربی نسل سے متعلق ہیں اور اکثر لوگ تنوخ کے قبائل کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کے اکثر نام عربی میں ہیں جیسے ابوالرجل، ابوالفقہ، ابوالمکارم، ابوالفوارس، اسحاق، تنوخ، تامر، حسن، حصن، خالد، رضوان، سعید، شہاب، صاعد، عبدالقادر، ہاشم، ہانی، نعمان، ہلال، محمد، مسعود وغیرہ۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ عربی الفاظ کا دوسرے قبائل کے مقابل میں زیادہ صحیح تلفظ کرتے ہیں۔

دروزیوں کے دینی سماج اور ان کا مکتب فقہی

یہ خفی مذہب کے تابع ہیں ان کا مذہبی معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہوتا ہے: عاقل اور جاہل۔ عاقلوں کے دوسر دار ہوتے ہیں انھیں دینی سرداری کا حامل تصور کیا جاتا ہے اور شیخ عاقلان کہا جاتا ہے۔ جن کے اوپر کچھ احکام کی پابندی ہوتی ہے جیسے شراب سگرٹ وغیرہ سے پرہیز، ان کا لباس اور کھانا پینا زہدانہ ہونا چاہئے جس میں اوپر اٹھا ہوا سفید عمامہ اور ایک گہرے نیلے رنگ کی عبا اور قبا ہونی چاہئے بقیہ افراد جاہلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو شرا حین بھی کہا جاتا ہے یہ بعض شرحوں اور رسالوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں لیکن انھیں اصلی رسالوں کے پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ یہ دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور ان کے لئے کسی لباس کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ (۱)

تین اہم شخصیات

۱۔ مقتنی بہاء الدین ابوالحسن علی بن احمد سموقی معروف بہ ضیف اس نے حمزہ بن علی کے بعد اس مذہب کی قیادت سنبھالی اور دروزی عقائد کی نشر و اشاعت میں فعال کردار ادا کیا۔ اس کی طرف بہت سے رسالے منسوب ہیں اس کے رسالے میں جو آخری تاریخ درج ہے وہ ۴۳۲ھ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۴۱۱ھ سے ۴۳۲ھ تک اس مذہب کا ذمہ دار تھا۔

۲۔ امیر سید جمال الدین عبداللہ تنوخی اس کی قبر لبنان میں ہے اور دروزی ہر سال اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

۳۔ شیخ محمد ابوہلال معروف بہ شیخ فاضل یہ بھی اپنے پیشرو کی طرح زہدانہ زندگی بسر کرتا تھا البتہ وہ لوگوں سے کنارہ کش رہ کر پہاڑوں کی زندگی کو ترجیح دیتا تھا۔ دروزی اخلاق میں امیر جمال الدین

اور زہد و تصوف میں شیخ ابو ہلال کو اپنے لئے نمونہ سمجھتے ہیں۔ (۱)

سوالات

- ۱۔ دروزی مذہب کی خصوصیات تحریر کیجئے۔
- ۲۔ دروزی مذہب کے تین بزرگ رہبروں کے نام بتائیے۔
- ۳۔ الحاکم بامر اللہ کی خدائی کی طرف دعوت دینے میں حمزہ بن علی کے کردار پر روشنی ڈالئے۔
- ۴۔ دروزی کس نسل سے متعلق ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟
- ۵۔ ان کا دینی سماج کیسا ہے اور وہ کس فقہی مذہب پر عمل پیرا ہیں؟
- ۶۔ دروزی مذہب کی تین علمی شخصیات کے مختصر حالات زندگی تحریر کیجئے۔

چھالیسواں سبق:

فرقہ نصیریہ

نصیریت کا آغاز

یہ غالیوں کا ایک فرقہ ہے جس نے مولائے کائنات علی بن ابی طالبؑ کے بارے میں غلو کیا ہے اور ان کے لئے الوہیت کا قائل ہے ان کو انصار یہ اور علویہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ پانچویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے ان کا رہبر نصیر نامی شخص بیان کیا جاتا ہے یہ لوگ شام میں اب بھی مقیم ہیں۔ (۱)

ملل و نخل کی قدیم کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پانچویں صدی ہی میں وجود میں آئے۔

شہرستانی کا کہنا ہے کہ یہ لوگ انھیں کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور شہرستانی نے اسکا تذکرہ ایک دوسرے فرقہ اسماعیہ کے ساتھ کیا ہے اس فرق کے ساتھ نصیری مولائے کائنات کو خدا سمجھتے ہیں۔ اور اسماعیہ ان کو نبی مانتے ہیں۔ (۲)

نصیری عقائد

۱۔ علی بن ابی طالبؑ خدا ہیں یا خدا نے ان میں حلول کیا ہے۔

(۱) تاریخ شیعہ و فرقہ های اسلام، ص ۱۸۵۔ (۲) الملل والنحل، ج ۱، ص ۱۸۸، ۱۸۹۔

۲۔ سلمان فارسی ان کے رسول ہیں۔

۳۔ کلمہ ستر سے تین حرف مراد ہیں: ع: علی۔ م: محمد۔ س: سلمان۔

۴۔ ابن ملجم سے محبت کی جائے، اس لئے کہ اس نے لاہوت کو ناسوت کی قید سے آزاد کرایا۔ لہذا ان کی نظر میں ابن ملجم پر لعنت کرنا غلط ہے۔

۵۔ شراب نور ہے لہذا ”مو“ نامی درخت کو عظیم سمجھتے ہیں اور اس کے اکھاڑنے کو گناہ جانتے ہیں۔ (۱)
ان کا بنیادی عقیدہ علی بن ابی طالبؑ کو خدا ماننا ہے ان کی قدیم کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ ہے جس میں حضرت علیؑ کی توصیف اس طرح کی گئی ہے وہ واحد ہیں، صمد ہیں، لم یلد ولم یولد ہیں، قدیم اور ازلی ہیں، ان کا جو ہر نور اور ستارے انھیں کے نور کا جلوہ ہیں، وہ نوروں کا نور ہیں، انھوں نے دریاؤں کو پھیلایا ہے، پہاڑوں کو شگافتہ کیا ہے تمام امور کی تدبیر انھیں کے ہاتھ میں ہے۔

ان کا کلمہ یہ ہے: ”اشھد ان لا الہ الا علی بن ابی طالب“ ان کے عقیدہ کے مطابق علی ہی نے محمد کو پیدا کیا ہے اور محمد علیؑ کا حجاب ہیں جنھوں نے سلمان فارسی کو اپنے نور سے پیدا کر کے انھیں اپنا دروازہ قرار دیا ہے اور اپنے پیغام کی تبلیغ کی ذمہ داری دی ہے۔ انھیں تینوں کے ناموں کے پہلے حرف سے ایک رمز بنتا ہے (ع، م، س) ہر نیا مومن اسی کے راز کی قسم کھاتا ہے۔

محمد نے پانچ یتیموں کو پیدا کیا جنھوں نے دنیا پیدا کی جن کے نام یہ ہیں:

مقداد بن اسود، عبداللہ بن رواحہ انصاری، ابوذر غفاری، عثمان بن مظعون اور قنبر بن کدان دوسی۔

ان کا ایک دوسرا عقیدہ تناخ ہے جس کی رو سے مومن اپنے خاص مقام تک ستاروں کے درمیان پہنچنے کے لئے سات مراحل کو طے کرتا ہے اور اگر کوئی بدکار مر جائے تو وہ عیسائی یا مسلمان کی صورت میں پیدا ہوتا ہے تاکہ اپنے گناہوں سے پاک ہو سکے لیکن علی بن ابی طالب کی پرستش نہ کرنے والا اپنی جدید پیدائش میں کتے، اونٹ، گدھے یا گوسفند کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ (۲)

(۱) تاریخ اندیشہ های کلامی در اسلام، ج ۲، ص ۴۰۸۔ (۲) تاریخ اندیشہ های کلامی در اسلام، ج ۲، ص ۴۴۵، ۴۴۶۔

نصیری فرقے

۱. حیدریہ: یہ علی حیدری کی طرف منسوب ہے جو نوں ہجری میں اس فرقہ کا رہبر تھا۔

۲. شمالیہ: ان کا کہنا ہے کہ علی بن ابی طالب آسمان میں ہیں اور سورج میں رہتے ہیں۔

۳. کلازیہ یا قمریہ: ان کا عقیدہ ہے کہ مولائے کائنات چاند میں رہتے ہیں اور جب انسان خالص شراب پیتا ہے تو چاند سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ یہ فرقہ شیخ محمد بن کلازی کی طرف منسوب ہے۔

۴. غیبیہ: ان کا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم نے شروع میں اپنا جلوہ دکھایا لیکن پھر غائب ہو گیا اور موجودہ زمانہ غیبت کا ہے اور غائب وہی خدا ہے جس نے مولائے کائنات علی بن ابی طالب میں جلوہ نما کی تھی۔ (۱)

نصیریوں کا قیام

عثمانی دور حکومت میں اس فرقہ پر بہت مظالم ہوئے لہذا ان لوگوں نے عثمانی حکومت کے خلاف قیام کیا: ایک مرتبہ ۱۸۶۶ء میں راشد پاشا کے دور حکومت میں ان کے قیام کو کچل دیا گیا لیکن دس سال بعد ان لوگوں نے دوبارہ بغاوت کی جو صلح پر ختم ہو گئی۔

دوسری مرتبہ اسماعیل خیربک کی رہبری میں قیام ہوا جس کو ایک علاقہ دے کر خاموش کر دیا گیا لیکن اس نے پھر بغاوت کی اور اس کے بعد کبھی پوشیدہ ہو جاتا تھا اور کبھی ظاہر آ کر اپنے ماموں کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔

تیسری مرتبہ ۱۹۱۸ء میں شیخ صالح علی نے فرانس کی حکومت کے خلاف قیام کر کے سوریا پر حکومت قائم کر لی ۱۹۲۱ء تک مقاومت کی اور پھر پہاڑوں میں مخفی ہو گیا فرانسیسیوں نے اسے فوجی عدالت کے ذریعہ پھانسی کی سزا سنائی اور اس کی جستجو میں دیہاتیوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا تو اس نے اپنے کو گرفتار کروا دیا اسکے بعد فرانس کی فوج کی طرف سے اس کی معافی کا حکم صادر کر دیا گیا اس شرط کے ساتھ کہ لوگوں سے دور فرانس کی حکومت کے زیر نگرانی زندگی بسر کرے لہذا شیخ صالح نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ۱۹۳۶ء تک گوشہ نشین رہا ۱۹۵۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ (۱)

سوالات

- ۱۔ فرقہ نصیریہ کون لوگ ہیں اور یہ کب وجود میں آئے؟
- ۲۔ نصیریوں کا بنیادی عقیدہ کیا ہے؟
- ۳۔ تناخ کے بارے میں نصیریوں کا کیا عقیدہ ہے؟
- ۴۔ نصیری فرقے کون کون سے ہیں؟
- ۵۔ شیخ صالح علی اور فرانسیسیوں کے خلاف اس کے قیام پر روشنی ڈالیں۔

سینا لیسواں سبق:

فرقہ اہل حق

مشہور یہ ہے کہ یہ بھی غالیوں کا ایک فرقہ ہے جس کو عِلّٰی اللہٰی بھی کہتے ہیں یہ لوگ بھی مولائے کائنات کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور ان کو خدا سمجھتے ہیں۔

اہل حق کب وجود میں آئے اور ان کا بانی کون تھا؟

بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ یہ فرقہ دوسری صدی ہجری میں پیدا ہوا اور ساتویں صدی میں اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ (۱)

بعض دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس فرقہ کی بازگشت چوتھی صدی میں مبارک شاہ ملقب بشاہ خو شین کی طرف ہے۔ یہ شخص لرستان کے علاقہ میں اپنے کچھ تابعین کے ساتھ سلطان طریقت کے طور پر رہتا تھا جس نے چار لوگوں سے یہ وعدہ کیا کہ میری روح سو سال بعد سلطان صحاک یا اسحاق نامی شخص کے جسم میں جلوہ افروز ہوگی لہذا اس کے چاہنے والوں نے یہ سو سال خاموشی کے ساتھ اسی کے انتظار میں بسر کئے اور آخر کار اس تک پہنچ گئے۔ (۲)

لہذا اس مذہب کے ماننے والوں میں مشہور یہ ہے کہ سلطان صحاک (اسحاق) بھی اس کا

بانی ہے اس فرقہ کو غالیوں میں شمار کرنے اور عَلٰی اللہٰی کہنے سے بھی وہ لوگ منع کرتے ہیں جیسا کہ ان کے بزرگ سید قاسم افضلی کا کہنا ہے کہ حقیقی اہل حق کبھی بھی حضرت علیؑ کو خدا نہیں سمجھتے لہذا یہ نسبت صحیح نہیں ہے اہل حق کا علی اللہیوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (۱)

اہل حق کا خاندان یا اس کی شاخیں

سلطان اسحاق نے اس فرقہ کو ایک واقعی شکل دینے کے لئے کچھ جانشین معین کئے ہیں جن کو ان کی ذمہ داری کے اعتبار سے مخصوص لقب دیا گیا ہے۔ شروع میں پیر بنیامین کو پیری اور داؤد کو دلیل کے عہدہ پر منصوب کیا گیا بعد میں ان لوگوں نے سات خاندان یا سات سلسلوں کو معین کیا وہ سات خاندان یہ ہیں:

۱۔ شاہ ابراہیم کا خاندان

۲۔ سید ابوالوفا کا خاندان

۳۔ عالی قلندر کا خاندان

۴۔ سید میر سور کا خاندان

۵۔ بابا یادگار کا خاندان

۶۔ سید مصطفیٰ کا خاندان

۷۔ حاجی بو عیسیٰ (سید باویسی) کا خاندان

ان کی نظر میں جو بھی ان کے مذہب میں داخل ہونا چاہے وہ اپنے کو انھیں میں سے کسی ایک خاندان کا ثابت کرے اور اپنی مذہبی تشخص کا اظہار کرے ان کی نظر میں بنیامین کا مرتبہ سب سے بلند ہے جو عالم السُّـت میں جبرئیل، شریعت کے دور میں سلمان، اور آخری زمانہ میں بنیامین تھا

وہ پروردگار کی سب سے مقرب اور پہلی مخلوق تھا جو آخری زمانہ میں امام مہدی کے طور پر ظہور کر چکا۔ (۱)

اہل حق کی عبادتیں

یہ لوگ ہفتہ میں ایک یا چند بار اپنے پیر کی موجودگی میں اپنے عبادت خانوں میں وافر مقدار میں نذرو نیاز کا سامان لیکر دعا و عبادت کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور ہفتہ میں ایک بار کی شرکت کو دائمی عبادت کے لئے کافی جانتے ہیں عام طور پر یہ اجتماع شب جمعہ ہوتا ہے نماز نہیں پڑھتے اور اس کی جگہ پر نذرو نیاز کرتے ہیں، تین دن روزہ رکھتے ہیں، چونکہ سلطان صحاک تین دن تک دشمنوں کے خوف سے غار میں بغیر غذا کے رہا اس روزہ کا نام مرنو ہے اس کے علاوہ قولطاس نامی تین روزے ہیں جو قولطاس کے دوستوں اور قوشچی، اوغلی، اور شاہ ابراہیم سے مربوط ہیں جو شدید سردی میں تین دن تک برفباری کا شکار رہے اور اس سے نجات کے بعد جشن منایا گیا۔ (۲)

شیطان اور شراب

بعض لوگ اس فرقہ کو شیطان پرست سمجھتے ہیں جبکہ موجودہ رہبر اس بات کا انکار کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں سلطان صحاک (اسحاق) کے کلمات نقل کرتے ہیں جس نے شیطان کی مذمت کی ہے۔ (۳) اس کے باوجود بعض قابل اعتماد افراد کے بیان کے مطابق یہ لوگ شیطان کی عزت کرتے ہیں اور اس پر لعنت بھیجنے کی شدید مخالفت کرتے ہیں شراب (شراب خوار) بھی ان لوگوں کے نزدیک ایک خاص احترام کا حامل ہے اور سلطان خاص کے ارکان اصلی میں سے ایک ہے (۴)

(۱) مجلہ تخصصی کلام اسلامی، شمارہ ۱۶، ص ۶۹، ۷۳۔ (۲) دائرة المعارف تشیع، ج ۳، ص ۶۵۹، ۶۶۱۔

(۳) دائرة المعارف تشیع، ج ۳، ص ۶۶۲۔ (۴) دائرة المعارف تشیع، ج ۳، ص ۶۶۲۔

اہل حق کے علاقے

یہ لوگ ایران، عراق، سورہ، افغانستان، تاجکستان وغیرہ میں رہتے ہیں جن کا اصلی مرکز ایران کا صوبہ کرمانشاہان ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد اس مذہب کے معتقد ہیں۔
اس کے علاوہ ترکی اور آلبانیہ میں بھی بکتاشی کے نام سے اس فرقہ کو ماننے والے ایک بڑی تعداد میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۱)

سوالات

۱۔ اہل حق کی ابتدا اور ان کے بانی کے بارے میں تحریر کریں؟

۲۔ اہل حق کو علی اللہی کہنے کے بارے میں اس کے موجودہ رہبر کا نظریہ تحریر کریں۔

۳۔ ان کے خاندانوں کے بارے میں وضاحت تحریر کریں۔

۴۔ پیر بنیامین کے بارے میں اہل حق کا نظریہ تحریر کریں۔

۵۔ اہل حق کی عبادتیں تحریر کریں۔

۶۔ شیطان اور شراب کے بارے میں ان کا نظریہ تحریر کریں۔

۷۔ اہل حق دنیا کے کن علاقوں میں رہتے ہیں؟

اڑتا لیسواں سبق:

فرقہ شیخیہ اور کشفیہ

شیخیہ کے رہبر

ان کا رہبر شیخ احمد احسائی (۱۱۶۶ھ سے ۱۲۴۱ھ تک) بحرین سے متصل قطیف کے علاقہ ”احساء“ میں پیدا ہوا۔ ۵ سال کی عمر میں قرآن پڑھ لیا اور اسکے بعد کچھ عربی علوم کی تعلیم حاصل کی پھر ۱۱۸۴ھ میں کر بلا گیا اور وہاں شیعوں کے بزرگ علماء آقا باقر بیہانی، سید مہدی بحر العلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء وغیرہ کے درس میں جانے لگا۔ ۱۲۰۹ھ میں اپنے وطن واپس چلا گیا۔ ۱۲۱۲ھ میں دوبارہ کر بلا واپس آیا پھر بصرہ کو اپنا دائمی مسکن بنا لیا۔ ۱۲۲۱ھ میں امام رضا کی زیارت کے لئے مشہد پہونچا وہاں سے یزد گیا اور پھر فتح علی شاہ قاجار کے حکم سے تہران چلا گیا وہاں سے کرمان شاہان گیا اور پھر قزوین میں علماء اسلامی نے اسکا استقبال کیا اور وہ وہیں نماز جماعت اور تدریس میں مشغول ہو گیا لیکن معاد کے سلسلہ میں بعض عقائد کی بنیاد پر وہاں کے بزرگ عالم ملا محمد تقی برغانی نے اس کے کفر کا فتویٰ دیدیا جس کو تمام علماء شیعہ نے قبول کر لیا وہ وہاں سے مشہد چلا گیا اور پھر عراق ہوتے ہوئے اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گیا اور مدینہ سے نزدیک ہدیہ نامی بستی میں ۲۱ ذیقعدہ ۱۲۴۱ھ کو انتقال کر گیا اور بقیع کے قبرستان میں بیت الاحزان کے نزدیک دفن ہوا۔ (۱)

شیخیہ کے مخصوص عقائد

اس کے بعض عقائد جو علماء اسلام کی طرف سے جو اس کے کفر کا فتویٰ دینے کا سبب بنے اس طرح ہیں۔

- الف۔ معاد: اس کا کہنا تھا کہ یہ مادی جسم زندہ نہیں ہوگا بلکہ روہیں ایک جسم لطیف کے اندر محسوس ہونگیں۔
 ب۔ معراج: احسائی معراج جسمانی کا قائل ہونے کے ساتھ اس بات کا قائل تھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا جسم ہر آسمان کی مخلوق کی صورت اختیار کر لیتا تھا تا کہ خرق اور التیام لازم نہ آئے۔
 ج۔ وجود امام عصر (عج): شیخ احسائی امام عصر (عج) کے وجود اور ظہور کو یقینی جانتا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ امام اس مادی دنیا کے بجائے ایک روحانی دنیا میں قیام پذیر ہیں اور وہاں سے پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں جب حکم خدا ہوگا تو وہ ظہور کریں گے۔

- د۔ ائمہ معصومینؑ کے سلسلہ میں غلو کا قائل تھا اور ربوبیت کا عقیدہ رکھتا تھا۔
 ہ۔ اسکے عقیدہ کے مطابق ہر زمانہ میں شیعوں میں کوئی ایک شخص امام زمانہ (عج) کا نائب خاص ہونا چاہئے۔ (۱)

ان کے اصول دین چار ہیں:

- ۱۔ توحید۔ ۲۔ نبوت۔ ۳۔ امامت۔ ۴۔ اور ہر زمانہ میں ایک شیعہ کامل کا وجود جو امام اور امت کے درمیان رابطہ فیض ہو اس کو ”رکن رابع“ بھی کہتے ہیں۔ (۲)

شیخیہ کرمان

شیخ احسائی کے بعد سید کاظم رشتی اس کا جانشین ہوا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس منصب کے دو

دعویٰ دار پیدا ہوئے ایک محمد کریم خان اور دوسرا مرزا محمد علی شیرازی جو باب کے لقب سے مشہور ہوا۔ محمد کریم خان (۱۲۲۵ھ سے ۱۲۸۸ھ) بادشاہ کے رشتہ دار ظہیر الدولہ کا بیٹا تھا اور سید کاظم رشتی کے شاگردوں میں سے تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اکثریت نے اس کے بیٹے محمد خان کو اپنا رہبر مان لیا اگرچہ بعض لوگ اس سے الگ ہو گئے یہ لوگ فقہی مسائل میں اخباری نظریہ کے تابع ہیں اور ابوالقاسم خان نے اجتہاد و تقلید کے سلسلہ میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

شیخیہ آذر بائجان

یہ لوگ اصول و عقائد میں احسائی کے تابع ہونے کے باوجود فقہی احکام میں مذہب جعفری کے مراجع کے مقلد ہیں۔

ان کے بعض بزرگ علماء: ملا محمد حجتہ الاسلام مامقانی، میرزا محمد حسین حجتہ الاسلام، میرزا محمد تقی حجتہ الاسلام، میرزا علی ثقتہ الاسلام وغیرہ ہیں۔

کشفیہ

شیخیہ کا دوسرا نام کشفیہ ہے اس لئے کہ شیخ احمد اپنے لئے کشف والہام کا قائل تھا۔ مرحوم سید محسن امین اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ کشفیہ کی طرف کچھ ایسے امور کی نسبت دی جاتی ہے جو اگر صحیح ہوں تو غلو اور دین سے خروج کا سبب بنیں گے۔ بعض علماء کے مطابق جو غلط عقائد شیخیہ کے یہاں رائج ہیں وہ سید کاظم رشتی کی دین ہیں۔ (۱)

سوالات

۱۔ شیخ احمد احسائی کے مختصر حالات زندگی تحریر کریں۔

۲۔ شیخ احسائی اور شیخ کے مخصوص عقائد ذکر کریں۔

۳۔ شیخ کی نظر میں رکن رابع سے کیا مراد ہے؟

۴۔ کرمان کے شیخ کا رہبر کون تھا؟ ان کا فقہی مکتب کیا ہے؟

۵۔ آذربائیجان کے شیخ اور ان کے تین علماء کے بارے میں تحریر کریں۔

۶۔ کشفیہ کے بارے میں سید محسن امین نے کیا فرمایا ہے؟ تحریر کریں۔

انچاسواں سبق:

مسلک بابیہ اور بہائیہ

ابتدا اور بانی

مسلک بابیہ تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں سید علی محمد کے ذریعہ وجود میں آیا۔ یہ پہلی محرم ۱۲۳۵ھ یا ۱۲۳۶ھ کو شیراز میں پیدا ہوا اور ۲۷ شعبان ۱۲۶۶ھ میں مرتد ہونے کی سزا میں تبریز میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

بابیہ اسکو ”حضرت اعلیٰ“ اور ”نقطہ اولیٰ“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

وہ ابتدائی تعلیم کے بعد تجارت میں مشغول ہو گیا اور جوانی ہی میں عجیب و غریب حرکتیں اور عملیات و طلسمات کرنے لگا وہ شدید گرمی میں گھنٹوں چھت پر کھڑے ہو کر سورج کو مسخر کرنے کے لئے اور اد پڑھتا تھا اور پھر اس کے بعد تجارت چھوڑ کر تحصیل علم اور سیر و سیاحت کے لئے عراق و حجاز کا سفر کیا اور وہاں سید کاظم رشتی کے غلو آمیز عقائد سے متاثر ہونے کا خیال پیدا ہوا اور اس کے انتقال کے بعد اس نے پہلے ذکریت کا دعویٰ کیا پھر بابیت کا اسکے بعد مہدویت کا اور پھر نبوت کا یہاں تک کہ آخر کار الوہیت کے دعوے تک پہنچ گیا۔

تالیفات باب

اسکی پہلی کتاب سورہ یوسف کی تفسیر کے سلسلہ میں ہے جسکو وہ لوگ قیوم الاسماء کے نام سے یاد

کرتے ہیں۔ دوسری مشہور کتاب مجموعہ الواح ہے جو علماء اور سلاطین سے خطاب ہے ایک اور کتاب صحیفۃ بین الحرمین ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان لکھی گئی ہے اور سب سے مشہور کتاب بیان ہے جو عربی اور فارسی دونوں میں لکھی گئی ہے جس کی عربی قواعد کے مطابق نہیں ہے یہ کتاب اس کے ماننے والوں کے لئے آسمانی وحی و شریعت کا درجہ رکھتی ہے۔

مرزا حسین علی بہاء اور مسلک بہائیت

مرزا حسین علی ۱۲۳۳ھ میں مازندران کے ایک دیہات میں پیدا ہوا اور ۱۳۱۰ھ میں عکا میں انتقال کیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حکومت میں منشی کے طور پر خدمت شروع کی اور اسکے بعد قلندروں کا لباس پہن لیا اور جب باب کا ہنگامہ کھڑا ہوا تو یہ اور اس کا رشتہ کا بھائی یحییٰ صبح ازل اس سے ملحق ہو گیا اور باب کے پھانسی پر لٹکائے جانے کے بعد یحییٰ نے اسکی جانشینی کا دعویٰ کیا۔ شروع میں تو مرزا حسین علی نے قبول کر لیا لیکن بعد میں رقابت شروع کر دی اور پہلے باب کے کلمات میں ذکر شدہ من یظہرہ اللہ کا دعویٰ کیا اور پھر آہستہ آہستہ رسالت، شاریعت اور حلول خدا کے دعوے تک پہنچ کر اپنے کو الہیکل الاعلیٰ کہلوا یا اور دعویٰ کیا کہ سید علی باب حقیقت میں اسکے ظہور کی بشارت دینے کے لئے آیا تھا۔

استعماری سفارتخانے اس مذہب کے بے انتہا حامی خاص طور پر روس کا سفارتخانہ اس فرقے کے خلاف اقدام کرنے پر حکومت کو دھمکیاں دیتا تھا لیکن آخر کار علماء اسلام کی کوششوں سے مرزا حسین علی کو عراق بھیج دیا گیا عراق اس وقت عثمانی حکومت کے زیر انتظام تھا اور پھر دونوں بھائیوں کے درمیان جھگڑے کی وجہ سے دونوں کو عدالت کی طرف سے وہاں سے بھی بدر کر دیا گیا۔ اور صبح ازل کے طرفدار ازیلیہ نیز حسین علی کے طرفدار بہائیت کے نام سے مشہور ہوئے اور جنہوں نے ان دونوں کو قبول نہیں کیا وہ صرف بابیہ کہے گئے۔ حسین علی کی وفات کے بعد بہائیت فراموشی کا شکار ہو گئے لیکن

اسکے بڑے بیٹے عباس آفندی کے میدان میں آنے سے یہ مذہب پھر زندہ ہو گیا اور اسکو عبدالبہاء کے لقب سے یاد کیا گیا۔ یہ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۱ء میں انتقال کیا۔ ۱۹۱۱ء میں ایران میں داخل نہ ہو پانے کی وجہ سے یورپ چلا گیا اور روس کے بجائے انگلینڈ اور امریکہ سے رابطہ کر لیا اور پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کے لئے عظیم خدمات انجام دیں جسکی وجہ سے اسکو ”سر“ (sir) لقب دیا گیا اور اس کے بعد سے وہ ان کا ایک عظیم خدمت گزار بن گیا جسکو (Knight Hood) کے میڈل سے نوازا گیا۔ عبدالبہاء کی موت کے بعد حسین علی کے نواسے نے قیادت سنبھالی اور ۱۹۵۷ء تک اس عہدہ پر قائم رہا اور اسکے بعد ۹ افراد کی کمیٹی نے یہ ذمہ داری سنبھالی جسکا نام ”بیت العدل“ رکھا گیا۔ غاصب اسرائیل میں حیفانامی سرزمین پر آج بھی ان کا مرکز قائم ہے۔

حسین علی کی تصنیفات

حسین علی کی دو کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے جسکو وہ لوگ اس پر ہونے والی وحی جانتے ہیں ایک ایقان جو فارسی میں ہے اور ان لوگوں کے مطابق بغداد میں وحی ہوئی ہے۔ اور دوسری کتاب ”اقدس“ جس میں عربی بھی مخلوط ہے جو ان کے مطابق عکا میں نازل ہوئی ہے اسکے علاوہ کچھ دوسرے صحیفہ بھی ہیں جن کو وہ لوگ کلمات مکتوز، ہفت وادی، کتاب مبین اور سوال و جواب وغیرہ سے یاد کرتے ہیں اس کی طرف منسوب ہیں۔

مرزا حسین علی کے ذریعہ خدائی کا دعویٰ

کتاب اقدس میں اس نے اپنے کو منبع وحی اور خدا کی تجلی کا مرکز قرار دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ تمام امور کی تدبیر اور خلقت، پروردگار نے ہمارے حوالہ کر رکھی ہے اور کتاب مبین میں کہا ہے:

لا اله الا انا المسجون الفريد

”میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور صرف میری ہی تسبیح ہوتی ہے۔“

کتاب ایام تسعہ میں اپنی ولادت کے دن کے بارے میں کہا ہے:

فيا حبذا هذا الفجر الذي فيه ولد من لم يلد ولم يولد.

”اس صبح کا کیا کہنا جس دن لم یلد ولم یولد پیدا ہوا۔“

اور ان کی دعاؤں کی کتابوں میں بہائیوں کی دعاء کے کلمات میں ایک کلمہ یہ ہے کہ ”پروردگار تجھے تیری ہلتی ہوئی داڑھی کی قسم دیتا ہوں۔“

شریعت اسلام کے منسوخ ہونے کا دعویٰ

بہائیوں کا عمومی عقیدہ یہ ہے کہ باب اور بہاء کے ظہور کے بعد شریعت اسلام منسوخ ہو گئی اور اب پروردگار کے جلوہ افروز ہونے کا زمانہ ہے جو باب اور حسین علی کی صورت میں ہو چکا ہے اور اب ہزار سال تک اس کا ظہور نہیں ہوگا۔

مسلک بہائی کے احکام و عبادات

بہائیوں کے یہاں نماز ۹ رکعت ہے جو صبح، دوپہر اور شام کو ہر بالغ پر واجب ہے اور ان کا قبلہ شہر عکا ہے جہاں حسین علی کی قبر ہے نماز کے لئے وضو بھی ضروری ہے لیکن اگر وضو کے لئے پانی نہ ہو تو پانچ بار یہ کہے:

بسم الله الاطهر الاطهر.

نماز میت کے علاوہ کوئی نماز جماعت سے نہیں پڑھی جاتی۔ ان لوگوں کے یہاں روزہ ایک مہینہ ہے جو انیس دن کا ہوتا ہے اس لئے کہ ان کے یہاں ایک سال میں ۱۹ دن کے ۱۹ مہینے ہوتے ہیں اور پورا سال ۳۶۱ دن کا ہوتا ہے اور ان کے روزے کا آخری دن عید نوروز ہے ان کا حج شیراز میں اس گھر کی زیارت ہے جس میں علی محمد باب پیدا ہوا حج کے لئے کوئی خاص وقت معین نہیں ہے۔ ایک مرد صرف ایک عورت سے شادی کر سکتا ہے اگرچہ کتاب اقدس میں عدالت کی شرط کے ساتھ دو

عورتوں سے شادی کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے لیکن عبدالبہاء کا کہنا ہے کہ چونکہ عدالت ناممکن ہے لہذا ایک سے زیادہ شادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے ان کے مذہب میں باپ کی بیوی سے شادی نہیں ہو سکتی لیکن بیٹی بہن اور دوسرے رشتہ داروں سے جائز ہے۔ ان کے یہاں تمام اشیاء پاک ہیں یہاں تک کہ پیشاب پاخانہ کتا سوز وغیرہ۔ لڑکی اور لڑکے کی میراث برابر ہے اور انکے بالغ ہونے کا زمانہ بھی برابر ہے یعنی ۱۵ سال ان کے اہم اجتماعی مراکز عشق آباد میں ”حظیرۃ القدس“ اور شیکاگو (امریکہ) میں ”مشرق الافکار“ ہیں۔

سوالات

- ۱۔ بابیہ مذہب کب شروع ہوا اور اس کا بانی کون تھا؟ تحریر کریں۔
- ۲۔ بابیت کے دعویٰ کے بعد علی محمد باب کے حالات زندگی پر روشنی ڈالیں۔
- ۳۔ باب کی تالیفات تحریر کریں۔
- ۴۔ میرزا حسین علی بہاء اور اس کے دعووں کی تفصیل تحریر کریں۔
- ۵۔ میرزا حسین علی کی وفات کے بعد بابیوں اور بہائیوں کے عقائد پر روشنی ڈالیں۔
- ۶۔ شریعت اسلامی کے بارے میں بہائیوں کا عقیدہ تحریر کریں۔
- ۷۔ بہائیوں کی عبادت کے بارے میں تحریر کریں۔

پچاسواں سبق:

قادیانی یا احمدی

قادیانی مذہب کی ابتدا اور اس کا بانی

یہ فرقہ جو احمدی اور مرزائی بھی کہا جاتا ہے ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ذریعہ تقریباً اسی زمانہ میں پیدا ہوا جس زمانہ میں ایران میں بہائی مسلک ایجاد ہوا۔ مرزا غلام احمد (۱۲۵۵ھ سے ۱۳۲۶ھ) ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے شہر قادیان میں پیدا ہوا اس کا گھرانہ انگریزوں کے وفادار گھرانوں میں شمار ہوتا تھا جوانی ہی سے وہ صوفی عبادتوں میں مصروف ہو گیا اور اس پر غشی طاری ہونے لگی۔

غلام احمد کا دعویٰ

۵۰ سال کی عمر میں خوابوں کی بنیاد پر اعلان کیا کہ میرے اوپر وحی نازل ہوتی ہے اور میں خدا کی طرف سے منتخب کیا گیا ہوں اور پھر کچھ عرصہ کے بعد مسیح اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا پھر نبوت کا اعلان کیا اور کہا کہ میرے اندر روح محمدی نے حلول کیا ہے۔

جناب عیسیٰؑ کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ پھانسی پر چڑھائے جانے کے بعد وہ مرے نہیں بلکہ ہندوستان کے صوبہ کشمیر میں چلے گئے اور ۱۲۰ سال کی عمر تک وہاں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اور

پھر وہیں ان کا انتقال ہوا اور انھیں سری نگر میں دفن کر دیا گیا اور امام مہدی (عج) کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ وہ عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کا مظہر اور کرشنا کا جلوہ ہیں اور وہ خود مہدی موعود ہے اس نے تلوار سے جہاد کو حرام کر دیا اور انگلینڈ کے ساتھ وفاداری کو واجب قرار دیا۔

تالیفات

۱. قصاید احمدیہ (المسیح الموعود والمہدی الموعود) ۲. مواہب الرحمن
 ۳. حمامة البشرى الى اهل مكة و صلحاء ام القرى.
- اسکے علاوہ اپنے شہر قادیان میں انگریزی زبان میں ایک ماہنامہ بھی شائع کیا جو اس کے مذہب کا ترجمان تھا۔

مسلمانوں کا رد عمل

شیعہ سنی دونوں نے اسکی شدید مخالفت کی اس لئے کہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے۔ عیسائیوں اور ہندوؤں نے بھی اسکے خلاف شدید غم و غصہ کا اظہار کیا لیکن کچھ لا اُبابی اور جاہل افراد اسکے گرد جمع ہو گئے جس میں برطانوی حکومت کے پروپگینڈہ کا بھی دخل تھا۔

احمدیہ اور لاہوریہ

غلام احمد کے انتقال کے بعد اسکے ماننے والوں میں اختلاف ہو گیا اور وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

الف۔ احمدیہ: یہ لوگ قادیان ہی میں مقیم ہیں اور اپنے مذہب کے بانی کے ساتھ وفادار ہیں۔ ان لوگوں نے پہلے مرزا نور الدین کو غلام احمد کا خلیفہ اول تسلیم کیا اور اسکے بعد احمد کے بیٹے بشیر الدین یا مشیر الدین کو خلیفہ دوم ان لوگوں کی ایک مشاورتی کمیٹی ہے جو ان کی قیادت کرتی ہے اور یہ لوگ اپنی آمدنی کا ایک چوتھائی حصہ زکاۃ کے طور پر ادا کرتے ہیں اور غیر قادیانی کو کافر جانتے ہیں

اور اس سے شادی کو بھی جائز نہیں سمجھتے۔ ان کا قیامت کا عقیدہ بھی اسلام جیسا نہیں ہے بلکہ تناخ سے مشابہ ہے یہ لوگ پاکستان بننے کے بعد لاہور سے ۴۵ کلومیٹر دور ایک جگہ منتقل ہو گئے جس کو ایک نئے شہر کے طور پر بسایا اور اپنے کو ”ربوہ“ کہلایا۔ قابل ذکر ہے کہ علماء اسلام اس فرقہ کو غیر مسلم شمار کرتے ہیں۔

ب۔ لاہور یہ: غلام احمد کے دوسرے تابعین مولوی محمد علی کی قیادت میں الگ ہو گئے اور ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ غلام احمد پیغمبر، مہدی یا مسیح نہیں بلکہ اسلام کا مجدد تھا جو اسلام سے خرافات کو ختم کرنے کے لئے آیا تھا لاہور میں انجمن اشاعت اسلامی احمدیہ انہیں لوگوں کی قائم کی ہوئی ہے جو مجددی کے نام سے مشہور ہے یہ لوگ تمام مسلمانوں کی طرح اپنے کو اسلامی حلال و حرام کا پابند قرار دیتے ہیں لیکن تفسیر قرآن یا مفاہیم اسلامی کے سلسلہ میں زیادہ تر غلام احمد کے نظریات پر تکیہ کرتے ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ اس فرقہ کے ماننے والوں کی تعداد کئی لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔

سوالات

- ۱۔ قادیانی کب اور کہاں وجود میں آئے؟
- ۲۔ غلام احمد قادیانی کے دعوے تحریر کیجئے۔
- ۳۔ غلام احمد کی کتابوں کے نام بتائیے۔
- ۴۔ غلام احمد کے خلاف مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کا رد عمل تحریر کیجئے۔
- ۵۔ فرقہ احمدیہ کس طرح وجود میں آیا؟
- ۶۔ لاہور یہ کون لوگ ہیں؟ اور کن خصوصیات کے مالک ہیں؟

چھٹی فصل

بعض اصطلاحات کی وضاحت

ملل و نخل کی کتابوں میں کچھ اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جو کسی مخصوص فرقے یا مذہب کا نام نہیں ہیں بلکہ چند فرقوں یا چند مذہبوں کے سلسلہ میں مشترک طور پر ان کا استعمال ہوتا ہے۔ گذشتہ مباحث میں کم و بیش ان سے واقف ہو چکے ہیں لیکن ان کی مزید وضاحت کے لئے یہاں پر قدرے تفصیل سے ان کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

مثنوی لعلی در بیان حقایق

در بیان حقایق و اسرار الهیه
که در این عالم پنهان است
و در این کتاب بیان شده است
که هر کس این کتاب را بخواند
به حقایق و اسرار الهیه
رسد و به نور حق هدایت
گردد و از تاریکی و ظلمت
به روشنایی و سعادت
رسد و به مقام کمال
رسد و به درگاه حق
رسد و به جنت حق
رسد و به بهشت حق
رسد و به عرش حق
رسد و به کعبه حق
رسد و به بیت حق
رسد و به دروازه حق
رسد و به شهر حق
رسد و به ملکوت حق
رسد و به جبرئیل حق
رسد و به میکائیل حق
رسد و به اسرافیل حق
رسد و به عزرائیل حق
رسد و به ملائکه حق
رسد و به فرشتگان حق
رسد و به انجیل حق
رسد و به تورات حق
رسد و به انجیل حق
رسد و به تورات حق
رسد و به انجیل حق
رسد و به تورات حق

اکیا ونواں سبق:

حشویہ اور رافضہ

۱۔ حشویہ

اس فرقہ کو اس نام سے یاد کرنے کی چند وجہیں بیان کی گئی ہیں:
الف۔ چونکہ یہ لوگ تجسیم کے قائل ہیں۔

ب۔ حاشیہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو حشویہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ لوگ
حسن بصری کے درس میں حاشیہ (کنارہ) پر بیٹھتے تھے۔

ج۔ یہ لوگ احادیث کے نقل میں کسی ضابطہ کے پابند نہیں ہیں جس کی وجہ سے احادیث میں
بہت سی غلط باتیں داخل کر دیتے ہیں اور ان سے غلط نتائج نکال لیتے ہیں۔

د۔ خراسان کے قریہ حشوہ کی طرف منسوب ہیں۔ (۱)

شہرستانی نے حشویہ کے بارے میں کہا ہے کہ: ”اہل حدیث میں بعض حشویہ واضح طور پر خدا کے
لئے تشبیہ کے قائل ہیں اور اسکے لئے اعضاء، اجزاء، نزول و صعود اور حرکت و انتقال کو جائز مانتے ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف بے بنیاد احادیث کی نسبت دیتے ہیں جو زیادہ تر یہودیوں سے لی ہوئی

ہیں اور قرآن کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ اس کے کلمات اور اصوات بھی قدیم اور ازلی ہیں۔ (۱)

۲۔ رافضہ

رافضہ برّفض سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ترک کرنا یہ کلمہ شیعوں کے تمام فرقوں یا ان کے بعض خاص فرقوں کے لئے استعمال ہوتا ہے بعض اوقات تمام مجہین اہل بیت کے لئے بھی یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ابو الحسن اشعری کا کہنا ہے کہ شیعوں کا دوسرا گروہ رافضی یا امامیہ ہے جو ابو بکر و عمر کی خلافت کا انکار کرنے کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہے ان کا عقیدہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مولائے کائنات کو علی الاعلان اپنا جانشین بنایا تھا لیکن ان کی رحلت کے بعد اکثر صحابہ ان کی اطاعت سے کنارہ کشی کر کے گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ (۲)

اشعری نے رافضہ کو شیعوں کا ایک گروہ شمار کیا ہے جبکہ اسفرائینی نے امامیہ کو رافضہ کا ایک فرقہ قرار دیا ہے۔ (۳) امام شافعی سے نقل ہوا ہے کہ جب بھی علیؑ اور اولاد علیؑ کا تذکرہ ہوتا ہے تو لوگ اس سے منع کر کے اس تذکرہ کو رافضیوں کا تذکرہ کہتے ہیں۔ (۴) شہرستانی نے نظام معترزی کو امامت میں نص کا قائل ہونے کی وجہ سے رافضی قرار دیا ہے۔ (۵) فرزدق نے جب امام زین العابدینؑ کے بارے میں اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا تو ان کی مذمت کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی گئی۔ (۶) اس اصطلاح کے آغاز کے بارے میں مشہور نظریہ یہ ہے کہ: جناب زید کے قیام میں جب انھوں نے ابو بکر و عمر کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال کئے تو کوفہ والوں نے ان کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے وہ رافضی کہے گئے لیکن محققین کی نظر میں یہ نظریہ معتبر نہیں ہے اس لئے کہ جناب زید کی طرف ایسی کوئی

(۲) مقالات الاسلامیین، ترجمہ مؤیدی، ص ۱۸۔

(۱) ملل و نحل، ج ۱، ص ۱۰۵، ۱۰۶۔

(۳) اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۲۱۔

(۴) التبصیر فی الدین، ص ۲۷۔

(۶) امالی سید مرتضیٰ، ج ۱، ص ۲۸۔

(۵) ملل و نحل، ج ۱، ص ۵۷۔

نسبت ثابت نہیں ہے بلکہ ابوالفرج اور دوسرے مؤلفین نے صرف اتنا بیان کیا ہے کہ پہلے کوفہ والوں نے آپ کی بیعت کی پھر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا جس طرح آپ کے جد علی بن ابی طالب، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تھا۔ (۱)

یہ اصطلاح بہت پہلے سے موجود تھی اور جو لوگ حکومت وقت کی مخالفت کرتے تھے ان کو رافضی کہا جاتا تھا چاہے وہ شیعہ ہوں یا غیر شیعہ جیسا کہ معاویہ نے مروان بن حکم کے بارے میں اس کلمہ کا استعمال کیا جب وہ جنگ جمل کے بعد معاویہ کے پاس آیا معاویہ نے عمرو ابن عاص کو لکھا:

قد سقط الینامروان بن الحکم فی رافضة اهل البصرة. (۲)

”اہل بصرہ کے رافضیوں میں سے مروان ابن حکم میرے پاس آیا ہے۔“

ایک حدیث میں یہ کلمہ امام باقرؑ سے نقل ہوا ہے جبکہ جناب زید کے قیام سے کئی سال پہلے امام محمد باقرؑ کی شہادت ہو چکی تھی ایک شخص نے امامؑ سے عرض کیا کہ لوگ شیعوں کو رافضہ کہتے ہیں تو امامؑ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

﴿انامن الرافضة وهو منی. قالها ثلاثاً﴾ (۳)

”میں رافضیوں میں سے اور وہ لوگ ہم میں سے ہیں۔“ اس فقرے کو امامؑ نے تین مرتبہ دہرایا۔

(۲) وقعة صفین، نصر ابن مزاحم، ص ۲۹۔

(۱) اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۲۱۔

(۳) بحار الانوار، ج ۶۵، ص ۹۷، حدیث ۲۔

سوالات

۱۔ حثویہ کن کن معانی میں استعمال ہوتا ہے؟

۲۔ حثویہ کے بارے میں شہرستانی نے کیا کہا ہے؟

۳۔ رافضہ کے معانی اور ان کا استعمال تحریر کریں۔

۴۔ رافضی اصطلاح کے آغاز کے بارے میں مشہور نظریہ تحریر کریں۔

۵۔ مشہور نظریہ کے غیر صحیح ہونے کے بارے میں دلائل تحریر کریں۔

باونواں سبق

عدلیہ

عدلیہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو عدل کو اصول مذہب مانتے ہیں اور یہ دو فرقے ہیں امامیہ اور معتزلہ۔ اس اصطلاح کا استعمال اشاعرہ کے مقابل میں ہوتا ہے البتہ تمام اسلامی فرقے عدل الہی کے قائل ہیں اور اسکو خداوند عالم کی صفات کمال میں شمار کرتے ہیں۔ لہذا اشاعرہ بھی خدا کو عادل مانتے ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں عدلیہ کی اصطلاح کا استعمال ان کے ذریعہ عدل کی غلط تفسیر کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

عدلیہ اور تفسیر عدل الہی

امامیہ اور معتزلہ عدل الہی کی تفسیر حسن و قبح عقلی کی بنیاد پر کرتے ہیں لہذا ان کی نظر میں عدل الہی یہ ہے کہ خدا نیک کام انجام دیتا ہے اور برے کاموں سے منزہ ہے جیسا کہ شیخ مفید نے کہا ہے کہ فاعل عادل و حکیم وہ ہے جو برائیوں سے پرہیز کرے اور واجب کو ترک نہ کرے۔ (۱)

قاضی عبدالجبار معتزلی کا کہنا ہے کہ ہم خداوند عالم کو عادل و حکیم مانتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ برے افعال انجام نہیں دیتا اور واجب کو ترک نہیں کرتا۔ (۲)

اس نظریہ کی بنیاد قرآن کریم احادیث نبوی اور مولائے کائنات کے کلمات ہیں جیسا کہ

آپ سے پوچھا گیا: عدل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

﴿العدل ان لاتتهمه﴾ (۱)

”عدل یہ ہے کہ خدا پر الزام نہ لگایا جائے۔“

یا امام صادقؑ نے فرمایا:

﴿اما العدل فان لاتنسب الی خالقک ما لامک علیہ﴾ (۲)

”عدل یہ ہے کہ خدا کی طرف ایسے کاموں کی نسبت نہ دو جن پر وہ خود تمہاری مذمت کرتا ہے۔“

ابن ابی الحدید نے مولائے کائناتؑ کے کلام کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ: ”عدل، علم کلام کا دوسرا

محور ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ وہ برے کام کے انجام دینے پر مجبور کرتا

ہے اور اس کے بعد عذاب بھی دیتا ہے یا لوگوں کو ایسے کاموں کا حکم دیتا ہے جس کے انجام دینے کی

ان میں طاقت نہیں ہوتی ہے۔“ (۳)

اشاعرہ اور تفسیر عدل الہی

عدلیہ کی تفسیر کے مقابلہ میں اشاعرہ کی تفسیر ہے جو عدل الہی کے قائل ہیں لیکن حسن و قبح عقلی کا

عقیدہ نہیں رکھتے لہذا وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا عادل ہے برائی نہیں کرتا لیکن اسکے معنی یہ نہیں ہے کہ

اسکے افعال سے قطع نظر اشیاء میں ذاتی طور پر کوئی اچھائی یا برائی پائی جاتی ہے۔ لہذا عدل اور حسن خود

کلام یا فعل الہی سے ہی وجود میں آتا ہے جو خدا انجام دے وہ عدل اور حسن ہے مثلاً اگر وہ نیک کام

کرنے والوں کو عذاب دے اور برائی کرنے والوں کو جزا دے تو یہ بھی عدل اور حسن ہے واضح ہے کہ

اس تفسیر کا مطلب عدل الہی کا انکار ہے جو قرآن کی آیات کے بالکل برخلاف ہے قرآن مجید

(۱) نہج البلاغہ، کلمات قصار نمبر ۴۷۰۔ (۲) توحید صدوق، ص ۹۶۔

(۳) شرح نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۵۲۴۔

میں بعض افعال کو حسن یا قبیح شمار کیا گیا ہے پھر افعال حسنہ کو خداوند عالم کے لئے ثابت کیا گیا ہے اور برے افعال کی اس سے نفی کی گئی ہے جیسے:

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (۱) کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ اور ہے۔
 ﴿أَمْ نَجْعَلِ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ (۲) کیا ہم متقین کو فاجروں جیسا قرار دیں۔

سید مرتضیٰ کا قول

سید مرتضیٰ سے نقل ہوا ہے کہ اصول توحید اور عدل مولائے کائنات سے اخذ ہوئے ہیں اسکے بعد دوسرے ائمہ کے یہاں ان کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے اس سلسلہ میں سید مرتضیٰ نے کچھ روایات بھی نقل کیں ہیں اور اس کے بعد بیان کیا ہے کہ ائمہ معصومین کے بعد علماء غیر شیعہ نے بھی ان اصول پر توجہ دی ہے جیسے: حسن بصری، واصل بن عطاء، عمرو بن عبید، ابوالہذیل علاف، ابوسہل بشر بن معتمر، ابواسحاق ابراہیم بن سيار نظام اور ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ۔ (۳)

(۲) سورہ ص، آیت ۲۸۔

(۱) سورہ رحمن، آیت ۶۰۔

(۳) امالی سید مرتضیٰ، ج ۱، ص ۱۳۰، ۱۳۲۔

سوالات

- ۱۔ عدلیہ کن لوگوں کو کہا جاتا ہے؟
- ۲۔ عدلیہ کی اصطلاح قائلین حسن و قبح سے کیوں مخصوص ہے؟
- ۳۔ عدل الہی کی تعریف میں مولائے کائنات نے کیا فرمایا ہے؟ ابن ابی الحدید کی وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔
- ۴۔ عدل الہی کے بارے میں امام جعفر صادقؑ کا کلام تحریر کریں۔
- ۵۔ اشاعرہ کی نظر میں عدل الہی کی تفسیر کیا ہے؟
- ۶۔ سید مرتضیٰ نے کلام اسلامی میں رہبران اصول توحید و عدل کے بارے میں کیا کہا ہے؟

ترپنواں سبق:

تفویض اور مَفْوَضہ

لغت میں تفویض کے معنی سپرد کرنے کے ہیں اور دینی اسباحث میں اسکی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف۔ انسان کی طرف سے خدا کو تفویض۔

ب۔ خدا کی طرف سے انسان یا دوسری موجودات کو تفویض۔

الف۔ انسان کی طرف سے خدا کو تفویض

انسان کی طرف سے خدا کو تفویض کبھی معرفت اور شناخت میں ہوتی ہے اور کبھی اعمال میں، اعمال کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی پوری کوشش سے نیک کام انجام دیتے ہیں لیکن مشیت الہی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے اور یہ انتہائی بلند افراد کا نظریہ ہے جیسا کہ مومن آل فرعون نے فرعون کے برے اعمال کے انجام سے باخبر کرنے کے بعد کہا:

﴿أَفَوَضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (۱)

”اپنے امور خدا پر چھوڑتا ہوں وہ اپنے بندوں کے حالات سے آگاہ ہے۔“

دوسری صورت یعنی علم و معرفت میں تفویض اسکا مطلب یہ ہے کہ تشابہات میں تاویل اور

تحقیق کو مسترد کیا جائے یا یہ کہ اپنے غور و فکر کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے بعد اس بات کا اعتراف کیا جائے کہ پروردگار ہم تیری معرفت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ تفویض کے یہ معنی معرفت کا کمال ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ما عرفناك حق معرفتك﴾ (۱)

ایسے افراد کو قرآن کریم میں مخلصین کے نام سے یاد کیا گیا ہے:

﴿سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ الْأَعْبَادَ اللَّهُ الْمُخْلِصِينَ﴾ (۲)

ب۔ خدا کی طرف سے انسان کو تفویض

خدا کی طرف سے انسان کو تفویض کی بھی دو صورتیں ہیں:

۱۔ تکوین کی منزل میں

۲۔ تشریع کی منزل میں

تکوین کی بھی دو صورتیں ہیں:

۱۔ خداوند عالم نے انسان کے اختیاری افعال اسکے سپرد کر دیئے ہیں اور انسان مستقلاً ان کے انجام دینے پر قادر ہے۔ یہ وہی نظریہ ہے جس کو قدریہ اور معتزلہ نے اختیار انسان کی توجیہ میں پیش کیا ہے اس نظریہ کے صحیح نہ ہونے پر ﴿لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین﴾ کی دلالت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

۲۔ پروردگار نے خلقت یا تدبیر سے متعلق امور اپنی بعض مخلوق کے حوالہ کر دیئے ہیں جیسے فرشتے، انبیاء اور اولیاء۔ امام رضاؑ نے اس نظریہ کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿من زعم ان الله عز وجل فوّض امر الخلق والزرق الى حجه عليهم السلام فقد

قال بالتفویض والقائل بالتفویض مشرک ﴿۱﴾

”جو یہ گمان کرے کہ خداوند عالم نے خلق اور رزق کے امور اپنی جہتوں کے حوالے کر دیئے ہیں وہ تفویض کا قائل ہے اور تفویض کا قائل مشرک ہے“
یہ تفویض غالیوں کا عقیدہ ہے۔

تشریع میں بھی تفویض کی چند صورتیں ہیں:

الف۔ یہ کہ خداوند عالم کی طرف سے کسی طرح کی تشریع نہیں ہے اور انسان اپنے اعمال میں آزاد ہے اسکا لازمہ شریعت کا انکار ہے جو کفر ہے۔

ب۔ تشریع کو بندوں کے حوالہ کر دیا ہے تاکہ وہ بغیر وحی والہام کے اپنی مرضی کے مطابق احکام وضع کریں یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تشریع اور احکام وضع کرنا خدا سے مخصوص ہے۔

﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (۲)

”حکم کرنے کا حق صرف خدا کو ہے اور اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو“

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۳)

”وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے جب تک ان پر وحی نہ ہو جائے“

ج۔ اصل تشریع اذن الہی سے مربوط ہے لیکن پیغمبر الہی کے معصوم ہونے کی وجہ سے ان سے شرافت و کرامت کے اظہار کے لئے بعض امور کی تائید ان کے حوالہ کر دی گئی ہے۔ اس نظریہ میں عقلی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے اور متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

د۔ احکام الہی کے بیان کو پیغمبر ﷺ یا ان کے اوصیاء کے سپرد کر دینا اس طرح کہ وہ لوگ حالات اور مصالح کے تحت احکام کی تبیین کریں اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سوالات

- ۱۔ انسانوں کی طرف سے خدا کو تفویض کے سلسلہ میں صحیح اور غیر صحیح نظریہ لکھیں۔
- ۲۔ تشریع کی منزل میں خدا کی طرف سے تفویض میں صحیح اور غیر صحیح نظریہ لکھیں۔
- ۳۔ علم و معرفت کی منزل میں خدا کی طرف سے انسان کو تفویض میں صحیح اور غیر صحیح نظریہ لکھیں۔

چونواں سبق:

تاویل اور مؤولہ

کلمہ تاویل اول سے ہے جس کے معنی ہیں اصل کی طرف پلٹنا۔ لہذا تاویل سے مراد کسی چیز کو اسکے مقصود کی طرف پلٹانا ہے چاہے فعل ہو یا علم جیسا کہ آیات کریمہ میں اشارہ ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ (۱)

”اسکی تاویل خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔“

﴿هَلْ يُنْظَرُونَ إِلَّا تَاوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَاوِيلُهُ﴾ (۲)

”کیا یہ لوگ تاویل کا انتظار کر رہے ہیں جس دن تاویل آئے گی۔“

قرآن کریم میں تاویل کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ تشابہات میں تاویل، جس کے معنی ہیں تشابہات کو محکمات کی طرف پلٹانا۔

۲۔ پورے قرآن میں تاویل تشابہات کے معانی کے سلسلہ میں بہت سے اقوال ہیں لیکن سب

سے رائج معنی یہ ہیں کہ تشابہ وہ ہے جسکے معنی ظاہر نہ ہوں جیسے ﴿وَاضْلَلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ اس لئے کہ

اس آیت میں اضلل کے معانی ﴿اضْلَهُمُ السَّامِرِيُّ﴾ میں اضلل کے معنی سے الگ ہیں۔ یہی

پہلی آیت میں اَضَلُّ مَدْح ہے اور دوسری میں مذموم۔ محکم وہ ہے جس کی مراد بغیر قرینہ کے واضح ہو۔

تاویل کے طریقے

علامہ طباطبائی نے تاویل کرنے والوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

- ۱۔ وہ لوگ جو اسماء اور صفات الہی کی سببی تفسیر کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ علم سے مراد نفی جہل ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے اور اس کا لازمہ پروردگار کو صفات کمال سے عاری تسلیم کرنا ہے۔
- ۲۔ وہ لوگ جو اسماء اور صفات الہی کو ہر اس احتمالی معنی میں تسلیم کر لیتے ہیں جو دین کے منافی نہ ہو چاہے احتمال عقلی ہو یا نقلی۔

۳۔ وہ لوگ جو احتمالات عقلی کو معتبر نہیں سمجھتے صرف نقلی محتملات ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ان دونوں صورتوں میں تفسیر بالرای لازم آتی ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ (۱)

اہل بیت کا طریقہ کار

متشابہات کی تفسیر میں اہل بیت کا طریقہ کار یہ ہے کہ متشابہات کو محکمات کی طرف پلٹایا جائے جو گزشتہ تمام طریقوں سے ممتاز ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادقؑ سے الرحمن علی العرش استوی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: ہم خداوند عالم کے لئے عرش کے وجود کو بھی ثابت مانتے ہیں اور اسکے استواء کے بھی قائل ہیں اس لئے کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ عرش حامل پروردگار ہے بلکہ خداوند عالم عرش کا محافظ ہے، وہ عرش کا محتاج نہیں ہے۔ عرش کی حقیقت وہی ہے جس کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا ہے:

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ (۲)

(۲) توحید صدوق، باب الرد علی الزنادقة، حدیث ۱۔

(۱) المیزان، ج ۱۲، ص ۱۳۲، ۱۳۳۔

”اس کی کرسی علم و اقتدار زمین و آسمان سے وسیع تر ہے۔“

تبعیض کا طریقہ

اس روش میں صفات اور افعال الہی سے مربوط آیات میں فرق بیان کیا گیا ہے۔ صفات سے متعلق آیات میں تاویل کی بات کی گئی ہے اور افعال سے مربوط آیات میں ظاہر کی نفی پر تکیہ کرنے کا حکم ہے اسی لئے سمع، بصر، رضا، اسف وغیرہ کی تاویل کی بات کی گئی ہے اور عرش کرسی لوح، قلم کی نہیں۔ لیکن اس کی کوئی مستحکم دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ دوسری قسم میں بھی بغیر تاویل کے جسم کا ہونا لازم آتا ہے۔ فخر الدین رازی نے اس طریقہ کار کی حمایت میں کہا ہے کہ: ”اگر ان چیزوں میں تاویل کا قائل ہو جائے تو تمام احکام میں تاویل عام ہو جائے گی جیسا کہ باطنیہ کا عقیدہ ہے“ حقیقت میں ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس قیاس کو قیاس مع الفارق کا نام دیا جاتا ہے خاص طور پر اگر اہل بیت کے طریقہ کار پر نظر رکھی جائے یعنی تشابہات کو محکمات کی طرف پلٹایا جائے۔“ (۱)

سوالات

۱۔ تاویل کی تعریف مع اقسام تحریر کیجئے۔

۲۔ متشابہ اور محکم سے مراد کیا ہے؟ بیان کیجئے۔

۳۔ کن فرق و مذاہب نے تاویل کی روش پر عمل کیا ہے؟

۴۔ تاویل کے تینوں طریقے مع تنقید بیان کریں۔

۵۔ متشابہات کے سلسلہ میں اہل بیت کی روش بیان کیجئے۔

۶۔ تبعیض کی روش پر مع تنقید روشنی ڈالئے۔

پچنواں سبق:

صفاتِیہ اور مُعطلّہ

موضوع بحث

صفاتِیہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو صفاتِ الہی کو زائد بر ذات جانتے ہیں۔ یہاں پر اس بحث کا موضوع وہ صفات ذاتی ہیں جن کے ذات سے منتزع کرنے یا ذات پر حمل کرنے میں صرف ذات کا تصور کافی ہوتا ہے جیسے حیاتِ قدرت وغیرہ برخلاف صفاتِ فعلی کے۔ صفات ذاتی کے متحقق ہونے کے بارے میں چند فرض تصور کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ عینیتِ مفہومی، یعنی صفات کے مفاہیم آپس میں بھی ایک دوسرے کے عین ہیں اور عین ذات بھی ہیں اور دونوں کے مفاہیم میں کسی طرح کی مغایرت نہیں ہے۔

۲۔ عینیتِ مصداقی و مغایرتِ مفہومی، یعنی مفہوم میں مغایر ہونے کے ساتھ ساتھ مصداق میں ایک ہیں۔

۳۔ مغایرتِ مفہومی و مصداقی، یعنی مفہوم و مصداق دونوں میں مغایر ہے اس میں بھی دو فرض قابل تصور ہیں:

۱۔ مغایرت اور ازلیت: یعنی صفات زائد بر ذات بھی ہیں اور ازلی و قدیم بھی۔

۲۔ مغایرت اور حدوث: یعنی صفات زائد حادث ہیں۔

عقائد و نظریات

مندرجہ بالا تینوں فروض میں سے پہلے فرض کا غلط ہونا واضح ہے اور اسکا کوئی قائل نہیں ہے۔ دوسرے فرض کو متکلمین امامیہ اور اکثر معتزلہ قبول کرتے ہیں اور تیسرے فرض کی پہلی صورت اشاعرہ اور ماتریدیہ کا نظریہ ہے نیز دوسری صورت بعض اہل حدیث اور مشبہہ کا عقیدہ ہے۔

صفات کے عین ذات ہونے کو تعطیل سے یاد کیا گیا ہے اور اسکے معتقدین کو معطلہ کہا جاتا ہے۔ ملل و نحل کی کتابوں میں عام طور پر معتزلہ کو معطلہ اور صفات کے زائد ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کو صفاتیہ کہا گیا ہے جیسا کہ شہرستانی نے کہا ہے:

لما كانت المعتزلة ينفون الصفات والسلف يثبتونها سمي السلف صفاتية والمعتزلة معطلة (۱)

”چونکہ معتزلہ صفات کی نفی کرتے ہیں اور سلف ان کو ثابت کرتے ہیں لہذا معتزلہ کو معطلہ اور سلف کو صفاتیہ کہا جاتا ہے۔“

ایک دوسری جگہ پر انھوں نے کہا ہے کہ جب ابوالحسن اشعری نے عقائد سلف کا دفاع کیا تو صفاتیہ کا نام اشعریہ پڑ گیا۔ اس کے بعد مشبہہ اور کرامیہ پر صفاتیہ کے اطلاق کے بارے میں شہرستانی نے کہا ہے:

لما كانت المشبهة والكرامية من مثبتى الصفات عددناهم فرقتين من جملة الصفاتية. (۲)

”مشبہہ اور کرامیہ چونکہ صفات کو ثابت کرنے والے تھے لہذا ہم نے ان کو صفاتیہ میں شمار کیا ہے۔“

نیابت اور تعطیل کا مفروضہ

جیسا کہ بیان ہو چکا کہ صفات کے زائد ہونے کی نفی کرنے والوں کو معطلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن یہ نام صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تعطیل سے مراد صفات کا انکار ہے نہ کہ ان کے زائد ہونے کا انکار۔ اس وجہ سے صفات کے عین ذات ہونے کے نظریہ کو کبھی کبھی ذات کی نیابت کے تحت بیان کیا جاتا ہے یعنی اس طرح تفسیر کی جاتی ہے کہ ذات خداوند عالم میں اگرچہ صفات کمالیہ ذاتیہ نہیں پائے جاتے لیکن ان کا اثر موجود ہے یعنی خداوند عالم میں صفت علم نہیں ہے لیکن وہ عالم ہے۔ یہ نسبت تمام معتزلہ یا تمام ان لوگوں کی طرف دینا جو صفات کے زائد ہونے کے قائل نہیں ہیں صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ شیعہ علماء کی طرح خداوند عالم کے لئے صفات کمال کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے زائد ہونے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ کہ اس سے تعدد قدما اور ذات الہی کا مرکب ہونا لازم آتا ہے لہذا اگر کہیں پر اصل صفات کے انکار کا وہم ہو تو اسے صفات زائد کے انکار پر حمل کرنا چاہئے جیسا کہ مولائے کائنات کا ارشاد ہے:

﴿و کمال الاخلاص له نفی الصفات عنه﴾

”اخلاص کا کمال یہ ہے کہ اس کے صفات (زائد) کی نفی کی جائے“

شہرستانی نے معتزلہ کے عمومی عقائد کو اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ خداوند عالم کے قادر، عالم

اور حی ہونے کا اعتراف کرتے ہیں لیکن علم، قدرت یا حیات کے ذریعہ سے نہیں۔ (۱)

شیخ مفید نے بھی ابوہاشم کے علاوہ تمام معتزلہ کو شیعہ عقائد کا حامل قرار دیا ہے۔ (۲)

لہذا بغدادی کی وہ بات رد ہو جاتی ہے جس میں اس نے معتزلہ کے عمومی عقائد میں صفات ازلیہ

کے انکار کو شامل کیا ہے۔ (۳)

سوالات

۱۔ صفاتیہ اور معطلہ کے بارے میں بحث کا موضوع کیا ہے؟

۲۔ مذکورہ بحث میں موجود نظریات بیان کریں۔

۳۔ صفاتیہ اور معطلہ کی اصطلاح کے استعمال پر روشنی ڈالیں اور اس سلسلہ میں شہرستانی کا کلام

ذکر کریں۔

۴۔ صفات کے ذات کا نائب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ فرض صحیح ہے نیز یہ فرض کن لوگوں

کی طرف منسوب ہے؟

۵۔ فرض نیابت اور تعطیل معتزلہ میں کیا نسبت ہے؟ مع تنقید بیان کریں۔

چھپنواں سبق:

مُشَبِّہ اور مُجَسِّمہ

الف: مشبہ

ملل و نخل کے مصنفین نے بعض مسلمانوں کو مشبہ اور مجسمہ کے عنوان سے یاد کیا ہے جس میں اسلامی دنیا کے دوسرے ادیان کے ماننے والوں کا خاص دخل ہے اگرچہ اس عقیدہ کے وجود میں آنے کا ایک اور سبب متشابہ آیات ہیں۔

ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) کا اس سلسلہ میں کہنا ہے کہ قرآن مجید میں صفات سے متعلق آیات دو طرح کی ہیں:

الف: وہ آیات جو تزیہ خدا پر دلالت کرتی ہیں۔

ب: وہ آیات جن سے تشبیہ کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔

اکثر صحابہ و تابعین پہلے معنی کے قائل ہیں اور دوسرے معنی کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگ متشابہ آیات سے تمسک کرنے کی بنا پر تشبیہ کے قائل ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ذات میں تشبیہ کے قائل ہیں یعنی جسم و جسمانیات کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ اس عقیدہ کے انجام سے بچنے کے لئے کہتے ہیں کہ خداوند عالم جسم رکھتا ہے لیکن عام جسموں جیسا نہیں۔ اس سلسلہ میں تنازع لازم آتا ہے۔

دوسرا گروہ صفات میں تشبیہ کا قائل ہے یعنی خداوند عالم کے لئے جہت، استوئی، نزول وغیرہ کا عقیدہ رکھتا ہے اور اس سلسلہ میں بھی یہی کہتا ہے کہ خدا جہت رکھتا ہے لیکن عام انسان کی جیسی جہت نہیں۔ یہاں پر بھی تنازع کا گذشتہ اعتراض وارد ہوگا۔ (۱)

عصر پیغمبر اکرم ﷺ کے مشرکین اور تشبیہ

قرآن کریم میں زمانہ پیغمبر اکرم ﷺ کے مشرکین کی تشبیہ کا تذکرہ ہے جس میں وہ لوگ خداوند عالم کے لئے اولاد ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اور قرآن میں خداوند عالم کے اس سے منزہ ہونے کا تذکرہ بھی موجود ہے:

﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ﴾ (۲)

”انہوں نے خدا اور جنات کے درمیان رشتہ قرار دیا۔“

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (۳)

”یہودی کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد بھی ہے حالانکہ وہ پاک و بے نیاز ہے زمین و آسمان میں جو

کچھ بھی سب اللہ ہی کا ہے۔“

حشویہ اور تشبیہ

حشویہ کا تذکرہ گذر چکا ہے اور اس سلسلہ میں شہرستانی کا کہنا ہے کہ حشویہ کے یہاں تشبیہ کا عقیدہ ان جھوٹی احادیث کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے جو یہود و نصاریٰ سے لی گئی ہیں اس لئے کہ تشبیہ

(۱) مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۶۳، ۳۶۴۔ (۲) سورۃ صافات، آیت ۵۸ و ۵۹۔

(۳) سورۃ بقرہ، آیت ۱۱۶۔

ان کے مذہب میں تھی یہاں تک کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ خداوند عالم نے طوفان نوح پر اتنا گریہ کیا کہ اس کی آنکھوں میں درد ہو گیا۔ فرشتوں نے اسکی عیادت کی۔ مشبہ نے پیغمبر اسلام ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ خداوند عالم نے میرے دونوں بازوؤں کے درمیان ہاتھ رکھا جس کے ہاتھوں کی ٹھنڈک میں نے محسوس کی۔ (۱)

شیعہ علماء کی طرف تشبیہ و تجسیم کی نسبت

ملل و نحل کی کتابوں میں بعض شیعہ بزرگوں کی طرف تشبیہ کی نسبت دی گئی ہے جس کو سب سے پہلے ابوالحسن اشعری نے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد بغدادی اور شہرستانی وغیرہ نے یہ نسبت ہشام بن حکم، ہشام بن سالم اور مومن طاق وغیرہ کی طرف دی ہے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ شہرستانی نے عقیدہ تشبیہ کو شیعوں کا عقیدہ قرار دیا ہے جو بعد میں اہل سنت کے یہاں بھی پہنچ گیا جبکہ شیعوں نے اپنے عقائدائمہ اہل بیتؑ سے حاصل کئے ہیں اورائمہ اہل بیتؑ سب سے زیادہ تشبیہ و تجسیم کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والے ہیں۔ اس سلسلہ میں شیخ صدوق کی کتاب التوحید کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ شیخ مفید نے اس سلسلہ میں کہا ہے:

واما القول بنفی تشبیہ فهو اکثر من ان یحصی من الروایات عن آل محمد

علیہم السلام فکیف ان یکون قد اخذنا ذلک عن المعتزلة. (۲)

”تشبیہ کی نفی کے سلسلہ میں آل محمدؑ سے نقل ہونے والی بے شمار روایات کے باوجود

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم نے یہ عقیدہ معتزلہ سے اخذ کر لیا ہو۔“

سوالات

- ۱۔ قرآنی آیات کی روشنی میں مسلمانوں میں تشبیہ کا عقیدہ کیسے پیدا ہوا؟ اس سلسلہ میں ابن خلدون کا قول نقل کریں۔
- ۲۔ زمانہ پیغمبر کے مشرکین کا عقیدہ تشبیہ ذکر کریں۔
- ۳۔ تشبیہ کے بارے میں حشویہ کا عقیدہ لکھیں۔
- ۴۔ بزرگ شیعہ علماء کی طرف تشبیہ کی نسبت پر تنقید کریں۔
- ۵۔ عقیدہ تشبیہ کو شیعوں کی طرف نسبت دینے والے نظریہ کو مع تنقید بیان کریں۔

ستا و نواں سبق:

تفضیلیہ اور وعیدیہ

یہ دونوں اصطلاحیں عذاب اور سزا سے متعلق ہیں۔ اسلامی متکلمین کافروں کے مستحق عذاب ہونے اور ان کے ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہنے پر متفق ہیں لیکن جو مومن گناہان کبیرہ کا ارتکاب کر کے بغیر توبہ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ شیعہ اور اہل سنت کہتے ہیں کہ ممکن ہے ان کی شفاعت ہو جائے اور دوزخ میں نہ جائیں یا اگر جائیں بھی تو ہمیشہ کے لئے نہیں چونکہ یہ لوگ پروردگار عالم کے رحمت و فضل کے قائل ہیں لہذا ان کو تفضیلیہ کہتے ہیں۔ اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ مرتکبین کبار کو مستحق شفاعت نہیں سمجھتے اور ان کے لئے ہمیشہ کے عذاب کے قائل ہیں۔ خواجہ نصیر الدین طوسی اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

اختلفوا فی الوفاء بالوعید و قالت التفضیلیة لیس ذلک واجب لانه حق اللہ تعالیٰ و قالت الوعدیة بوجوبہ لان لا یصیر الوعد کذباً. (۱)

”وعید کی وفا کے بارے میں اختلاف ہے تفصیلیہ کہتے ہیں کہ یہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ یہ خدا کا حق ہے جبکہ وعیدیہ اسے واجب جانتے ہیں اس لئے کہ وعید جھوٹا نہیں ہو سکتا۔“

بعض قابل ذکر باتیں

۱۔ مرتکبین کبار کو بعض خوارج اور معتزلہ دونوں ہمیشہ کے عذاب کا مستحق قرار دیتے ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ خوارج مرتکبین کبار کو کافر و مشرک جانتے ہیں جبکہ معتزلہ فاسق۔ وہ فسق کو

کفر و اسلام کے بیچ کی منزل قرار دیتے ہیں: (منزلة بین المنزلتین)

۲۔ وعید سے متعلق معتزلہ کی عقلی دلیل صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وعید اخبار نہیں بلکہ انشاء ہے لہذا اس کو سچایا جھوٹا کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وعدہ دوسرے کے حق کا اعتبار ہے لہذا اس کی وفا واجب ہے اور وعید اپنے حق کا، لہذا اس سے چشم پوشی ممکن ہے۔

۳۔ بعض آیات میں بعض گناہ (جیسے مومن کا قتل عمد وغیرہ) کے لئے ہمیشہ کے عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سلسلہ میں تفصیلیہ ہمیشہ کے عذاب سے اس کے طویل ہونے کا کنایہ سمجھتے ہیں۔

۴۔ عذاب کے لئے خلود یا ہمیشہ ہونے کا حکم ان کفار کے بارے میں ہے جو جاہل مقصر ہوں اور جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں۔ استاد مطہری اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ جو آیات و روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ منکرین نبوت و امامت کے اعمال قبول نہیں ہوتے۔ ان کی مراد وہ منکرین ہوتے ہیں جو عناد و تعصب کی بناء پر انکار کرتے ہیں۔ لہذا جو انکار صرف عدم اعتراف کی صورت میں ہوتے ہیں اور ان کی وجہ بھی قصور ہوتا ہے تقصیر نہیں ہے مذکورہ روایات و آیات ان کو شامل نہیں ہوتیں۔ ایسے منکرین قرآن کریم کی نظر میں مستضعف اور مرجون لامر اللہ شمار ہوتے ہیں۔ (۱)

سوالات

- ۱۔ تفضیلیہ اور وعیدیہ کون لوگ ہیں؟ اور ان کو اس نام سے کیوں یاد کیا جاتا ہے؟
- ۲۔ تفضیلیہ اور وعیدیہ کے بارے میں محقق طوسی نے کیا کہا ہے؟ بیان کریں۔
- ۳۔ مرتکبین کبار کے حتمی طور پر مستحق عذاب ہونے یا ان کے ہمیشہ عذاب میں رہنے کے بارے میں خوارج اور معتزلہ میں کیا فرق ہے؟
- ۴۔ وعید پر عمل کے وجوب پر معتزلہ کی عقلی دلیل کیا ہے؟ مع تنقید بیان کریں۔
- ۵۔ مرتکبین کبار کے سلسلہ میں ہمیشہ کے عذاب کی آیتوں کے بارے میں تفصیلہ کا نظریہ بیان کریں۔
- ۶۔ قاصر کافرین، مشرکین اور معاندین کے بارے میں شہید مطہری کا قول بیان کریں۔



TANZEEMUL MAKATIB

Golaganj, Lucknow-18 India

Ph.:2615115 Fax: 2628923

Email: makatib@makatib.net